نماز کے بعد
دُعاء کی اہمیت

ترجمہ و تلخیص

ثلاث و رسائل فی استحباب الدعاء
و رفع الیدین بعد الصلوٰۃ المکتوبۃ

ترتیب

محدث شہیر شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی: ۱۴۱۷ھ)

مقدمہ و تکملہ

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ

تلخیص و ترجمانی

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

فرید بُک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ

نماز کے بعد دعاء کی اہمیت

ترجمہ و تلخیص
ثلاث رسائل فی استحباب الدعاء
و رفع اليدين بعد الصلوٰة المكتوبة
ترتیب: محدث شہیر شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ (المتوفی ۱۴۱۷ھ)

مقدمہ وتکملہ
حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

تلخیص وترجمانی
مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

ناشر

مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)
پن کوڈ: 276403 موبائل: 9235327576

جملہ حقوق محفوظ

تفصیلات

نام کتاب............ نماز کے بعد دعاء کی اہمیت
مرتب .... شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ،
مترجم .... مولانا ولی اللہ مجید قاسمی
باہتمام .... مولانا ضیاء الحق خیرآبادی
صفحات 104
قیمت .... =/80
تعداد 1100
سنہ طباعت............ ستمبر ۲۰۱۴ء

ای میل: **zeyaulhaquekbd@gmail.com**

ملنے کے پتے

☆ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، ضلع اعظم گڈھ
☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
☆ مکتبہ الفہیم، صدر چوک، مئوناتھ بھنجن
☆ مکتبہ فدائے ملت، مرادآباد

یہ کتاب

ترجمہ و تلخیص ہے

ثلاث رسائل فی استحباب الدعاء و رفع الیدین بعد الصلوٰۃ المکتوبۃ کی۔

ترتیب: محدث شہیر شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ (المتوفی ۱۴۱۷ھ)

یہ تین رسالے تین ایسے بڑے فقہاء کے ہیں، جو بڑے محدث بھی تھے۔

(۱) پہلا رسالہ ہے " التحفة المرغوبة فی افضیلة الدعا بعد المکتوبة"
مرتب: مشہور سندھی عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۱۷۴ھ)

(۲) دوسرا رسالہ " المنح المطلوبة فی استحباب رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوٰۃ المکتوبة" مرتب: محدث شیخ احمد بن الصدیق العماری المغربی (المتوفی ۱۳۸۰ھ)

(۳) تیسرا رسالہ "بسنیة رفع الدین فی الدعاء بعد الصلوٰۃ المکتوبة"
مرتب: محدث کبیر سید محمد بن مقبول اہدل الیمنی (المتوفی ۱۲۵۸ھ)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۱	تمہید (مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی)	۵
۲	مقدمہ (// // //)	۷
۳	نماز کے بعد دعاء (مولانا ولی اللہ مجید صاحب قاسمی)	۳۰
۴	دعاء کی حقیقت اور فضیلت	۳۰
۵	شرائطِ قبولیت	۳۴
۶	فرض نماز کے بعد دعاء کی اہمیت	۳۵
۷	دعاء میں ہاتھ اٹھانا	۵۶
۸	حرفِ آخر	۸۴
۹	تکملہ وخاتمہ (مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی)	۸۹
۱۰	ایک اشکال	۸۹
۱۱	جواب	۹۰
۱۲	سوال	۹۳
۱۳	جواب	۹۳
۱۴	تنبیہ	۱۰۱
۱۵	مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ کی رائے	۱۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

آج کل یہ چرچے عام ہیں کہ نت نئی سائنسی ایجادات نے جہاں انسانی زندگی میں بہت سی گرہیں ڈال دی ہیں، وہیں اسلامی شریعت کے سامنے بھی بہت سے چیلنج کھڑے کر دیئے ہیں۔ علماء وفقہاء کی ایک جماعت ان نئے مسائل کے حل کرنے میں کتاب وسنت اور فقہ وفتاویٰ کے اوراق الٹ رہی ہے۔ یہ حضرات مسائل ودلائل کی چھان بین کر رہے ہیں، شریعت اسلامیہ کی روح کے مطابق نئے سوالوں کے جواب کی جستجو میں ہیں اور ان کی کوششیں بحمد اللہ بڑی حد تک کامیاب ہیں، جو بھی نیا چیلنج سامنے آتا ہے حق تعالیٰ کی تائید اور اس کے فضل سے اس کا قرارِ واقعی جواب علمائے اسلام ڈھونڈھ نکالتے ہیں۔

لیکن علم ہی کا نام لگا کر ایک ٹولہ ایسا بھی ہے، جو اپنا تشخص برقرار رکھنے کیلئے قدیم مختلف فیہ مسائل کو نئی آب وتاب دے کر عوامی حلقوں میں جذباتی رنگ میں لا کر کھڑا کرتا ہے۔ مسائل ودلائل کے باب میں عہد رسالت ہی سے فہم اور استدلال کا اختلاف رہا ہے، اور یہ اختلاف فطری اختلاف ہے، اسے مٹایا نہیں جا سکتا، لیکن اس کے رہتے ہوئے لوگ شیر وشکر رہ سکتے ہیں، اور مدتوں رہ چکے ہیں، لیکن اب کچھ لوگ انہیں اختلافی مسائل کو موضوع بنا کر مسلمانوں میں انتشار کا باعث بنتے ہیں۔ ان میں کچھ مسائل تو بہت عرصہ سے بحث واشتہار کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں، بعض مسائل علمی طور پر کبھی زیر بحث آ جاتے تھے، مگر ان کی عام تشہیر نہ تھی، لیکن جب سے عرب ممالک کی راہ کچھ تعلیم کیلئے اور کچھ ذرائع معاش کے لئے کھلی ہے، وہاں سے کچھ ایسے

مسئلے شدت سے درآمد کئے جانے لگے ہیں، جن میں تشدد کا احساس پہلے بالکل نہ تھا۔

انہیں مسائل میں ایک مسئلہ فرض نمازوں کے بعد دعا کا ہے، ہمارے علم میں زمانہ قدیم سے ہر مسلمان کے ذہن میں یہ بات راسخ تھی کہ فرض نمازوں کے بعد خصوصیت سے دعا قبول ہوتی ہے، اسی کے پیش نظر نمازیوں میں عام دستور تھا کہ نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کیا کرتے تھے، کبھی کبھی بعض علماء اس کے شدت اہتمام کو دیکھ کر اس پر نکیر کرتے تھے، بعض اکابر اپنی طبیعت کی شدت وحدت کے زیر اثر اس کے بدعت ہونے کا بھی حکم لگا دیتے تھے، مگر امت نے اس حکم کو ایک انفرادی رائے سمجھ کر قبول نہیں کیا لیکن اب کچھ لوگوں نے اس کو موضوع بنا کر اس کے خلاف ایک محاذ قائم کر لیا ہے، اور بعض عرب ممالک میں اس کو اس طرح ترک کر دیا ہے جیسے واقعی یہ عمل بدعت ہی رہا ہو، لیکن اس کی وجہ سے امت ایک بڑے خیر سے محروم ہوتی جا رہی ہے اور اس کا التزاماً ترک کرنا خود بدعت بنتا جا رہا ہے۔

بہت سے سنجیدہ عرب علماء اس طریقہ کو پسند نہیں کرتے، چنانچہ ابھی ماضی قریب کے ایک زبردست عالم اور صاحب تحقیق محدث وفقیہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ علیہ الرحمہ نے فرض نمازوں کے بعد دعا کے موضوع پر تین رسالوں کو اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ یکجا شائع کیا، جن میں اس مسئلے کی خوب وضاحت کر دی گئی ہے۔

اس حقیر نے اپنے ایک عزیز مولانا ولی اللہ قاسمی فتحپوری سلمہ سے ان تینوں رسالوں کا ترجمہ اور اس کی تلخیص کرائی۔ ترجمہ میں تینوں رسالوں کو الگ الگ ممتاز نہیں کیا گیا ہے بلکہ تینوں کے مجموعے سے ایک مکمل رسالہ مرتب کیا گیا ہے، اس خاکسار نے اس پر ایک مبسوط مقدمہ اور ایک مفصل خاتمہ لکھا۔

ماہنامہ انوارالعلوم کے دو شماروں کو یکجا کر کے اسی موضوع پر ایک خصوصی نمبر بنا دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر کاوش کو قبول فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

سعودی عرب اور دوسرے چھوٹے چھوٹے ممالک عربیہ کی بے حد وحساب دولت نے جہاں دنیا بھر کے مسلمانوں کو کچھ مادی اور دنیوی فوائد پہونچائے ہیں، اور بعض بعض حلقوں میں کچھ دینی فوائد بھی اس سے حاصل ہوئے ہیں.......... وہیں جیسا کہ دولت کی بہتات کا خاصہ ہے .... خود اہل عرب کو بھی، اور دوسرے ممالک کے مسلمانوں کو بھی اس نے دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے نقصان بھی پہونچایا ہے، اس وقت ہمیں دنیوی نقصانات کا جائزہ لینا مقصود نہیں ہے، دینی اعتبار سے جو نقصان پہونچا ہے، اس کا قدرے ذکر کرنا ہے۔

ان ممالک میں جہاں دولت کے چشمے ابلے، وہیں ائمہ اربعہ کی تقلید سے لوگوں نے اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کی۔ تقلید کیا ہے؟ قرآن وسنت اور احکام شرعیہ کے سمجھنے میں اپنی فہم کے بجائے، ان حضرات کی فہم پر اعتماد کرنا، جن کی حذاقت، ومہارت، بلکہ امامت امت کے نزدیک مسلم ہے، ظاہر ہے کہ یہ بات عقلاً ونقلاً ہر طرح صحیح بلکہ واجب العمل ہے، اس سے دین کا انتظام بھی قائم رہتا ہے، اور دینی امور کا احترام بھی باقی رہتا ہے، اور قرآن وسنت کو بازیچۂ اطفال بنانے کی جرأت کوئی نہیں کرتا، لیکن انگریزی حکومت کا جب طوفان اٹھا، تو اس نے ایک طرف تمام قدیم دینی اقدار وروایات کو زیروزبر کیا، اور دوسری طرف اس نے اتنی ذہنی اباحیت پیدا

کر دی کہ اس سے متاثر کوئی شخص اپنی سمجھ کے علاوہ دوسرے کی سمجھ پر اور اپنے علم و واقفیت کے سوا دوسرے کے علم وواقفیت پر اعتماد کرنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ انگریزیت زدہ افراد حقائق دین اور مسلمات شرع میں بھی طرح طرح کے شکوک پیدا کرنے لگے، کیونکہ انگریزوں کی بارگاہ سے علم کے نام پر جو چیز ان تک پہونچی تھی اس کا کوئی تعلق دینی حقائق سے نہ تھا۔ پھر جب دینی حقائق ان کے سامنے آئے، اور وہ ان کے دائرہ فہم سے باہر رہے، تو اولاً وہ شک وشبہ میں گرفتار ہوئے، پھر توفیق الٰہی نے اگر ان کی مدد نہیں کی تو وہ انکار وانحراف کی راہ پر چل پڑے، اس طرح مسلمانوں کا ایک خاصا طبقہ مسلمان کہلاتے ہوئے بھی دینی راہ سے منحرف ہو گیا، پھر یہی اباحیت کی وبا دینداروں بلکہ صحیح الفاظ میں ''دین پسندوں'' کے حلقے میں بھی گھس آئی۔ اور متعدد لوگوں نے، اور مختلف جماعتوں نے سرآگیا جھاراً اعلان کیا کہ ہم قرآن وسنت کو، سمجھنے کے ان اصولوں کے مطابق نہیں سمجھیں گے، جنھیں ائمہ اربعہ نے اور دوسرے اصحاب بصیرت علماء نے مقرر کیا ہے، بلکہ جو کچھ ہمارے ذہن میں آئے گا، ہمارے نزدیک وہی معتبر ہوگا۔

ایک جماعت کے بانی نے اپنی جماعت کا اصول یہی مقرر کیا کہ ''کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو'' ذہنی غلامی، تقلید ہی کی ایک پھوہڑ تعبیر ہے۔ اسی اباحیت کے نتیجے میں ''غیر مقلدیت'' نے جنم لیا، غیر مقلدیت نے صرف اپنے ذہن وفہم ہی پر اعتماد نہیں کیا، بلکہ اس نے ہر اس بات کی نفی کی جو اس کے دائرۂ فہم اور احاطۂ علم سے باہر ہے، اس نے اپنی فہم کو انسانی فہم سے اوپر اٹھا کر وحی الٰہی کا درجہ دے دیا۔ اس نے اپنی بات کے علاوہ ہر بات کو گمراہی قرار دیا۔ وہ مسائل جو دور صحابہ سے مختلف فیہ رہے ہیں، اور لوگ بے تکلف اپنی یا اپنے ائمہ کی تحقیق پر عمل کر کے بھی سب کے نزدیک اعلیٰ

درجہ کے مومن و مسلم باقی رہتے تھے، اس غیر مقلدیت کے ذہن نے اس کے کسی ایک پہلو کو اختیار کر کے باقی سب کو غلط قرار دے ڈالا۔

پھر جب غیر مقلدیت کا گٹھ جوڑ دولت کے ساتھ ہو گیا، تو اس کی جارحیت اور بڑھ گئی۔ اب اسے جنون ہے کہ ہر شخص اپنا مسلک چھوڑ کر غیر مقلدیت اختیار کر لے۔

عرب کی دولت اور غیر مقلدین کا اس وقت زبردست گٹھ جوڑ ہے، ہندوستان کے بہت سے لوگ زیادہ تر معاشی مقصد کے تحت وہاں جاتے ہیں، تو پہلے وہاں کی دولت سے مرعوب ہوتے ہیں۔ پھر اس کی اثر سے ان کی ذہنیت تبدیل ہوتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ غیر مقلدیت کی جارحیت ان کے ذہن وفکر پر مسلسل حملے بھی کرتی رہتی ہے، پھر جب وہ یہاں واپس لوٹتے ہیں، تو اپنے ساتھ ایسی چیزیں لگا لاتے ہیں جو یہاں کے دینی حلقوں میں اجنبی محسوس ہوتی ہیں۔ اور انہیں اصرار ہوتا ہے کہ یہی اجنبی چیزیں صحیح ہیں، سنت کے مطابق ہیں، اور جو کچھ یہاں دین سمجھ کر کیا جا رہا ہے وہ بدعت ہے، غلط ہے، خلاف سنت ہے۔

آمین بالجہر، رفع یدین اور قرأۃ خلف الامام کے مسائل تو قدیم زمانے سے مختلف فیہ رہے ہیں، ان کے متعلق اختلاف کے مستقل مذاہب ہیں۔ ان مسائل میں حنفیہ اور شافعیہ کا اختلاف سب جانتے ہیں۔ لیکن جو چیزیں عملاً پہلے سے باتفاق رائے ہوتی چلی آئی ہیں۔ اب انہیں بھی حدیث کا نام لے لے کر غلط کہا جانے لگا۔ حالانکہ ان میں بعض چیزیں محض جاہلانہ ہیں۔

چنانچہ آپ بہت سی مسجدوں میں دیکھیں گے کہ کچھ لوگ سروں پر انگریزی بال رکھے ہوئے، ننگے سر نماز پڑھ رہے ہیں یہ بیشتر وہ لوگ ہوتے ہیں، جو سعودی یا دوسرے عرب ممالک سے واپس آتے ہیں، وہاں جاہلوں کو یا عالم نما جاہلوں کو ننگے سر

نماز پڑھتے دیکھتے ہیں تو چونکہ یہ ان کے نفس اور مزاج کے مطابق ہے، اس لئے اس بری ہیئت میں یہ بھی نماز پڑھ کر نماز اور عبادت کی تقدیس کو پامال کرتے ہیں۔ اسلامی تہذیب وروایات سے انحراف کرکے انگریزی تہذیب کی ذہنی اور عملی غلامی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اور اس پر انھیں فخر وناز ہے، حالانکہ عرب علماء بھی اس کو ”منکر“ اور غلط قرار دیتے ہیں۔

دوسری چیز جوان اصحاب دولت غیر مقلدین سے درآمد کی گئی ہے۔ اور وہ ایک گونہ علمی رنگ رکھتی ہے، وہ ہے فرض نمازوں کے بعد دعا کا ترک کرنا۔

یہ مسئلہ اب سے کچھ پہلے تک تقریباً اجماعی تھا کہ فرض نماز کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے، اور دعا کے آداب میں ہاتھ کا اٹھانا ہے۔ اس پر مغرب ومشرق اور شمال وجنوب کے تمام مسلمانوں کا عمل تھا۔ تقریباً میں نے اس لئے کہا کہ خال خال علماء اس کے منکر بھی تھے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم علیہما الرحمہ اسے نہیں تسلیم کرتے، لیکن یہ نظریہ ایک شاذ نظریہ رہا، عام طور پر ہر زمانہ میں عمل اس کے خلاف ہی رہا۔

اس مسئلہ میں ان دونوں بزرگوں کی رائے شاذ ہے، لیکن غیر مقلدین کو ان کی شاذ رایوں سے خاص دلچسپی ہے۔ انہیں اچھالتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں علامہ ابن القیم کی ایک عبارت قابل ملاحظہ ہے، جسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں ان کی کتاب **الھدی النبوی** کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

> **واما الدعاء بعد السلام من الصلوٰۃ مستقبل القبلة سواء الامام والمنفرد والماموم فلم یکن من ھدی النبیﷺ اصلاً ولا روی عنہ باسناد صحیح ولا حسن وخص بعضھم ذالک**

بصلاتی الفجر والعصر ولم یفعله النبی ﷺ ولا الخلفاء بعده ولا ارشد الیه امته وانما هو استحسان رآه من راه عوضاً من السنة بعدهما. قال: وعامة الادعیة المتعلقة بالصلوٰة انما فعلها فیها وامر بها فیها، قال: وهذه اللائق بحال المصلی فانه مقبل علی ربه مناجیه، فاذا اسلم منها انقطعت المناجاة وانتهی موقفه وقربه فکیف یترک سواله فی حال مناجاته والقرب منه وهو مقبل علیه، ثم یسأل اذا انصرف عنه، ثم قال: لکن الاذکار الواردة بعدالمکتوبة یستحب لمن اتی بها ان یصلی علی النبی ﷺ بعد ان یفرغ بها ویدعو بما شاء، ویکون دعاء ه عقب هذه العبادة الثانیة لا لکونه دبر المکتوبة۔

(فتح الباری کتاب الدعوات ج ۱۱ ص ۱۶۰)

حاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رو بیٹھے بیٹھے دعا کرنا خواہ امام ہو، منفرد ہو یا مقتدی ہو، یہ سرے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے، اور نہ آپ سے کسی صحیح، یا حسن سند کے ساتھ مروی ہے، بعض لوگوں نے اس دعا کو نماز فجر اور نماز عصر کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہیں کیا ہے، نہ آپ کے بعد خلفاء راشدین نے کیا ہے اور نہ ہی آپ نے اپنی امت کو اس کی ہدایت فرمائی ہے، یہ بعض حضرات کا استحسان ہے انہوں نے اسے سنتوں کے عوض میں تجویز کیا ہے، یعنی عصر اور فجر کے بعد چونکہ کوئی سنت نماز نہیں ہے، اس لئے اس کے عوض میں لوگوں نے دعا کو تجویز کر دیا۔

فرماتے ہیں کہ نماز سے متعلق جتنی دعائیں منقول ہیں انہیں آپ نے

> نماز کے اندر کیا ہے اور اسی میں ان کا حکم دیا ہے، علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہی بات نمازی کے حق میں مناسب بھی ہے کیونکہ وہ اپنے رب کی طرف بالکلیہ متوجہ ہے، اس سے مناجات کر رہا ہے، پھر جب سلام پھیرتا ہے تو اس کی مناجات منقطع ہو جاتی ہے، اور قرب کا وہ مقام جو نماز کے اندر اسے حاصل تھا، ختم ہو جاتا ہے، تو کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ جب وہ قرب ومناجات کے حال میں تھا، اور بالکلیہ رب تعالیٰ کی طرف متوجہ تھا تب تو سوال ودعا نہ کرے اور جب اس سے فارغ ہو گیا، تب دعا کرنا شروع کرے۔
>
> البتہ خاص خاص اذکار جو فرض نماز کے بعد وارد ہیں، انہیں جو پڑھنا چاہے اس کے لئے مستحب ہے کہ ان اذکار سے فارغ ہونے کے بعد نبی ﷺ پر درود بھیجے اور جو چاہے دعا کرے۔ اس کی یہ دعا اس دوسری عبادت یعنی اذکار مسنونہ کے ورد کے بعد ہوگی، فرض نماز کے بعد ہونے کی وجہ سے نہیں۔

علامہ ابن قیم کا آہنگ ملاحظہ فرمایئے! انہوں نے نماز کے بعد دعا کی مطلقاً نفی فرمادی، خواہ امام ہو، خواہ منفرد، فرض ہو یا نفل، پھر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ اور سنت سرے سے ہے ہی نہیں، اس کیلئے نہ صحیح، نہ حسن، نہ فعلی، نہ قولی، کوئی روایت ہے ہی نہیں، نہ خلفاء نے یہ عمل کیا، نہ آپ نے امت کو اس کی ہدایت کی، اللہ اکبر! کتنا بڑا دعویٰ فرمادیا لیکن صاحب فتح الباری کی سنئے، وہ اس پر نقد کرتے ہیں:

> **قلت: وما ادعاه من النفی مطلقاً، مردود، فقد ثبت عن معاذ بن جبل ان النبی ﷺ قال له: یا معاذ انی والله احبک فلا تدع دبر کل صلوٰة ان تقول: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ، اخرجه ابو داؤد والنسائی وصححه ابن حبان والحاکم وحدیث أبی بکرة فی قول اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ**

مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، کان النبی ﷺ یدعو بھن دبر کل صلوٰۃ اخرجه احمد والترمذی والنسائی وصححه الحاکم وحدیث سعد الآتی فی باب التعوذ من البخل قریباً فان فی بعض طرقه المطلوب وحدیث زید بن ارقم : سمعت رسول الله ﷺ یدعو فی دبر کل صلوٰۃ: اللهم ربنا ورب کل شئی الحدیث اخرجه ابو داؤد والنسائی وحدیث صهیب رفعه کان یقول اذا انصرف من الصلوٰۃ: اللهم اصلح لی دینی الحدیث اخرجه النسائی وصححه ابن حبان وغیره

فان قیل: دبر کل صلوٰۃ قرب اخرها وهو التشهد: قلنا قد وردالامر بالذکر دبر کل صلوٰۃ والمراد به بعدالسلام اجماعاً فکذا هذا حتی یثبت ما یخالفه.

فرماتے ہیں کہ حافظ ابن قیم نے نمازوں کے بعد دعا کرنے کی جو مطلقاً نفی فرمادی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

(۱) کیونکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذ! واللہ مجھے تم سے محبت ہے پس کسی نماز کے بعد یہ دعا کرنا نہ چھوڑنا: اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ ، یہ روایت ابوداؤد اور نسائی میں موجود ہے، اور اسے ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

(۲) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ یہ روایت امام احمد، امام ترمذی، امام نسائی نے نقل کی ہے اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۳) حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے بھی اس سلسلے میں ایک روایت منقول ہے،

> جو قریب ہی باب **التعوذ من البخل** میں آ رہی ہے، اس کے بعض طرق میں مطلوب موجود ہے۔
>
> (۴) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے سنا: **اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ** اسے امام ابو داؤد اور امام نسائی نے نقل کیا ہے۔
>
> (۵) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا کرتے: **اللھم اصلح لی دینی الخ** اسے امام نسائی نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور ابن حبان وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔
>
> اور اگر کوئی کہے کہ حدیث میں آئے ہوئے لفظ **دبر** کے معنی نماز کے اخیر کے قریب والا جز ہے، یعنی تشہد کے بعد کا حصہ، مطلب یہ ہے کہ یہ دعائیں نماز کے آخری جز میں پڑھی جائیں گی، نہ کہ نماز کے بعد۔
>
> تو ہم کہیں گے کہ احادیث میں بعض اذکار کے متعلق حکم ہوا ہے کہ انہیں **دبر کل صلوٰۃ** پڑھا جائے، اور وہاں بالاجماع نماز کے بعد مراد ہے، اسی طرح ان دعاؤں کے بارے میں بھی یہی کیا جائے گا کہ نماز کے بعد کی جائیں گی، جب تک اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے۔

چنانچہ متعدد روایات میں نمازوں کے بعد **سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر** کہنے کی ترغیب ہے، آیۃ الکرسی پڑھنے کا حکم ہے، ظاہر ہے کہ یہ تسبیحات اور آیۃ الکرسی کا پڑھنا نماز کے اندر نہیں ہے، بلکہ نماز کے بعد ہی مراد ہے، بس معلوم ہوا کہ ان جگہوں میں ''دبر'' کے معنیٰ بعد کے ہیں۔

حدیث نمبر (۳) میں جس روایت کا حوالہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے دیا ہے وہ بخاری میں مصعب ابن سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سے اس طرح مروی ہے کہ:

” کان سعد یامر بخمس ویذکرھن عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یامربھن اللھم انی اعوذبک من الخ“

اس روایت میں نماز کے بعد کا ذکر نہیں ہے لیکن انہوں نے فرمایا کہ اس کے بعض طرق میں ہمارا مطلوب یعنی نماز کے بعد دعا کا ذکر موجود ہے، اس سے مراد وہ طریق ہے، جو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور وہ عمرو بن میمون کا طریق ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے:

”عن مصعب بن سعد و عمرو بن میمون قالا کان سعد یعلم بنیہ ھولاء الکلمات کمایعلم المکتب الغلمان ویقول عن رسو ل اللہ ﷺ کان یتعوذ بھن دبر الصلاۃ: اللھم انی اعوذبک من الجبن الخ . “

(ج:۲،ص:۱۹۷)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ دعاء مانگا کرتے تھے، اور اس کو حضرت سعد اپنے بچوں کو اس طرح سکھاتے اور یاد کراتے تھے، جس طرح معلم اپنے شاگردوں کو یاد کراتا ہے۔

ان سب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد دعا کرنے کی نفی صحیح نہیں ہے، لیکن حیرت ہے کہ علامہ ابن قیم جیسے وسیع النظر عالم اور محدث سے یہ حدیثیں کیونکر مخفی رہ گئیں۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیثیں ان کی نگاہ میں تھیں، مگر انہوں نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ **دبر الصلوۃ** کا معنیٰ سلام پھیرنے کے بعد نہیں ہے بلکہ انہوں نے سلام پھیرنے سے قبل نماز کا آخر مراد لیا ہے، اور اس کی انہوں نے ایک عقلی توجیہ کی ہے کہ نماز کی حالت میں آدمی جتنا خدا سے قریب ہوتا ہے دوسرا کوئی وقت ایسا

نہیں، اس لئے اسے نماز کے اندر دعا مانگنی چاہئے نہ کہ نماز کے بعد، جبکہ قرب کا وہ وقت ختم ہو چکا ہے لیکن ان کی یہ تاویل نری تاویل ہے، صحیح احادیث اس کا رد کرتی ہیں اور اجماع امت کے بھی یہ خلاف ہے، آخر بہت سے اذکار جو حدیث میں نماز کے متعلق وارد ہیں، صاحب فتح الباری نے نقل کیا ہے کہ وہ نماز کے بعد ہی ہیں۔ اس طرح کی کوئی کمزور تاویل کوئی مقلد کرتا ہے تو یہ حضرات بہت ناراض ہوتے ہیں، لیکن خود اسے کتنے ادعا کے ساتھ پیش کر رہے ہیں؟

یہ اشکال حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ کو بھی پیش آیا ہے کہ اتنی صاف صریح احادیث کے ہوتے ہوئے انہوں نے دعا بعد الصلوٰۃ کی نفی کیونکر کی پھر انہوں نے اس کا جواب دینے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔ انہوں نے ان کے قول کی ایک الگ توجیہ فرمائی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ”بہت سے حنابلہ جن سے ہماری ملاقات ہوئی، انہوں نے علامہ ابن القیم کی عبارت کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ انہوں نے نمازوں کے بعد دعا کرنے کی مطلقاً نفی کی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ لیکن ان کے کلام سے یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے، انہوں نے جو نفی کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رخ ہونے کی حالت میں دعا کرنا ثابت نہیں ہے، لیکن اگر وہ اپنا رخ بدل لے یا سلام پھیرنے کے بعد اذکار مسنونہ پڑھ لے اور اس کے بعد دعا کرے تو ممنوع نہیں ہے۔“

یہ توجیہ اور معذرت حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے علامہ ابن قیم کے حق میں کی ہے، اذکار مسنونہ والی بات تو خود علامہ موصوف کے کلام میں بھی موجود ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے کہ:

” لکن الاذکار الوارده بعد المکتوبه لمن یستحب اتی بها ان

یصلی علی النبی ﷺ بعد ان یفرغ منھا ویدعو بما شاء ویکون دعاءہ عقب ھذہ العبادۃ الثانیۃ وھی الذکر لالکونہ دبر المکتوبۃ"(حوالہ مذکور)

مطلب یہ ہے کہ فرض نمازوں کے بعد جو اذکار مسنون ہیں (مثلاً **سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر** وغیرہ) اگر کوئی شخص انہیں پڑھتا ہے تو اس کیلئے مستحب یہ ہے کہ ان کے بعد درود شریف پڑھے اور پھر جو چاہے دعا کرے، اور یہ دعا فریضہ کے بعد نہیں ہے بلکہ ایک دوسری عبادت یعنی ذکر کے بعد ہے۔

حافظ ابن قیم کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد فوراً اور متصلاً دعا کرنا ثابت نہیں ہے، گویا فرض نماز کے بعد دعا کا فعل سرے سے ہے ہی نہیں، ہاں اگر اذکار مسنونہ کے بعد دعا کرے تو حرج نہیں ہے کیونکہ نماز میں اور دعا میں فصل ہوگیا۔

علامہ ابن قیم کے اس کلام کی روشنی میں حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ کی تاویل، **توجیہ القول بمالا یرضی بہ القائل** (قول کی ایسی توجیہ جسے قائل منظور نہیں کرتا) کی قبیل سے ہوجاتی ہے، کیونکہ علامہ ابن قیم تو اپنے موقف پر قائم ہیں کہ فرض کے بعد دعا مانگنا ثابت نہیں ہے، اور حافظ صاحب کے فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ اذکار مسنونہ کے بعد اگر دعا مانگی گئی، تو وہ بھی تو فرض کے بعد ہی ہوئی اور علامہ ابن قیم اس کو جائز قرار دیتے ہیں، لیکن علامہ موصوف تو فرماتے ہیں کہ وہ فرض کے بعد کہاں ہوئی، وہ تو ذکر کرنے کے بعد ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے دیار میں فرض نمازوں کے بعد جو دعا ہوتی ہے وہ علامہ ابن قیم کے نزدیک بدعت نہیں ہے، کیونکہ یہ دعا عموماً کسی نہ کسی ذکر کے بعد ہوتی ہے۔

اور دوسری بات کہ مصلی اپنا رخ تبدیل کرلے تب دعا کرسکتا ہے۔ یہ توجیہ امام

کے حق میں تو چل سکتی ہے، لیکن منفرد اور مقتدی کے حق میں نہیں چل سکتی ہے، کیونکہ دائیں یا بائیں امام ہی رخ بدلتا ہے مقتدی اور منفرد کے حق میں یہ بات ثابت نہیں ہے، اور اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ منفرد یا مقتدی اپنی جگہ سے اٹھ کر چلا جائے اور پھر دعا کرے تو یہ دعا فریضہ کے بعد کہاں ہوئی؟

غرض اس توجیہ کے بعد بھی یہ مسئلہ لاینحل رہ جاتا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعا کی اتنی ترغیب کے باوجود علامہ ابن قیم کیونکر اس کی نفی کرتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ان کا یہ موقف نہ صرف یہ کہ بہت کمزور ہے، بلکہ سنت کے خلاف بھی ہے۔

"عفاالله عنه وتجاوز عن زلاتنا"

بعض حضرات نے علامہ ابن قیم کی اس بات میں کمزوری دیکھی تو انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے، پس وہ بدعت ہے؟

لیکن یہ اصول کہ اگر کوئی عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باہتمام منقول نہیں ہے، خواہ اس کی کتنی ہی ترغیب حدیث میں موجود ہو، اس کا عمل میں لانا بدعت ہے، یہ ایک غلط اصول ہے اس اصول کو اختیار کیا جائے تو نہ جانے کتنی سنتیں مردہ ہو جائیں گی، آپ کے ارشادات سے اگر کسی چیز کی ترغیب معلوم ہوگئی تو اسے اختیار کرنا کم از کم مستحب ضرور ہے، اب رہا انفرادی اور اجتماعی دعا کا مسئلہ، تو جب نمازوں کے بعد دعا کا ثبوت ہوگیا تو انفراداً اور اجتماعاً سے کوئی فرق نہیں پڑتا، دعا کے یہ دونوں افراد جائز اور مستحب ہوں گے، جب تک کوئی محذور شرعی لازم نہ آئے، اجتماعی اور انفرادی کی گفتگو لانا، اصول دین سے بے خبری کی دلیل ہے۔

ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نمازوں کے بعد دعاؤں کا ایسا اہتمام والتزام کہ وہ نماز ہی

کی طرح فرض معلوم ہونے لگیں بلا شبہ یہ بات غلط ہے، لیکن ایک ہے التزام، اور ایک ہے دوام، کسی غیر لازم عمل کو عملاً یا اعتقاداً لازم کرلیا جائے یہ تو مکروہ اور غلط ہے، لیکن **خیر العمل مادیم علیه** کے تحت اچھا عمل وہی ہے جو دواماً کیا جائے، نماز کے بعد دعا کے التزام کے شبہ کو دور کرنے کیلئے اتنا کافی ہے کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات پختہ کردی جائے کہ یہ نماز کا لازمی حصہ نہیں ہے، اور کچھ لوگ کبھی اسے ترک کردیں تو اس پر دوسرے لوگ نکیر نہ کریں، لیکن ترک کا ایسا التزام کرلینا کہ کبھی دعا مانگی ہی نہ جائے اور مانگنے والوں پر نکیر کی جائے، ایک بڑے خیر سے خود کو اور دوسروں کو محروم کرنا ہے اور التزام مالا یلزم سے بڑھ کر منکر ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ:

”لا ریب ان الادعیة دبر الصلوٰة قدتواترت تواتراً لا ینکرا ما رفع الایدی فثبت بعد النافلة مرة او مرتین فالحق بها الفقهاء بعد المکتوبة ایضاً وذهب ابن تیمیة وابن قیم الی کونه بدعة بقی ان المواظبة علی امر لم یثبت عن النبی ﷺ إلامرة او مرتین کیف هی؟ فتلک هی الشاکلة فی جمیع المستحبات فانها تثبت طوراً فطوراً ثم الامة تواظب علیها نعم نحکم بکونها بدعة اذا افضی الامر الی المنکر علی من ترکها.“

(فیض الباری ج۴ ص ۴۱۷)

حاصل یہ ہے کہ نمازوں کے بعد دعا کرنا ایسے تواتر سے ثابت ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، باقی ہاتھوں کا دعا میں اٹھانا تو نفل کے بعد ایک یا دو مرتبہ ثابت ہے، فقہانے اسی قیاس پر فرض نمازوں کے بعد بھی ہاتھ اٹھانے کو ملحق کیا ہے، اور علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم اسے بدعت قرار دیتے ہیں۔

رہا یہ مسئلہ کہ جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک یا دو بار ثابت ہے اس پر

> دوام کرنا کیسا ہے؟ تو معلوم ہونا چاہئے کہ تمام مستحبات کے اثبات کا یہی طریقہ ہے کہ ان کا ثبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کبھی ہوتا ہے، پھر امت اس پر مواظبت کرتی ہے، ہاں اگر ان مستحبات میں معاملہ کی نوعیت یہ ہو جائے کہ اس کے تارک پر نکیر ہونے لگے، تو البتہ اسے بدعت کہا جائے گا۔

شاہ صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ التزام مالا یلزم جو مکروہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اگر کوئی ترک کرے تو اس کا ردو انکار کیا جائے، اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ ایسی مواظبت اور دوام ہے جو کہ شرعاً مطلوب ہے۔

اور یہ ایک امر واقعہ ہے کہ مستحبات کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب اور ایک دو مرتبہ عمل کر لینا کافی ہے اور یہ بھی واقعہ ہے، کہ فرض نمازوں کے بعد دعاؤں کی قبولیت کا ذکر بکثرت احادیث میں آیا ہے، اور یہی منشاء بنا اس بات کیلئے کہ امت نے نمازوں کے بعد دعا کا اہتمام کیا۔

فرض نمازوں کے بعد دعا کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیبات اس کثرت سے ہیں، کہ اگر آپ نے ان ترغیبات کے ساتھ بذات خود عملی اہتمام فرمایا ہوتا، تو یقیناً وہ درجۂ وجوب کو پہونچ جاتیں، لیکن آپ نے قولی ترغیب پر اکتفا فرمایا تا کہ امت کیلئے آسانی رہے۔

بات یہ ہے کہ بعض امور جو فرض تو نہیں ہوتے لیکن افضیلت اور کثرت ثواب کے لحاظ سے اس شان کے ہیں کہ انہیں فرض قرار دیا جاتا، مگر اس سے امت کے مشقت میں پڑ جانے کا اندیشہ تھا، ایسے امور کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے ترغیب سے تو کام لیا مگر عام طور سے ان کا عملی اہتمام والتزام نہیں فرمایا۔ آپ کے سامنے ان اعمال کی خاصیات اور خصوصیات اور ان کی خیر و برکت واضح تھی، آپ خوب ادراک رکھتے تھے کہ محبوبیت اور مقبولیت کے لحاظ سے کون سا عمل اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ

امت پر فرض ہو جائے، لیکن رغبت وشوق کے باوجود محض اس بنا پر اس عمل کو ترک فرمادیا کہ آئندہ امت مشقت میں نہ پڑ جائے۔

مثال کے طور پر تراویح کی نماز کو دیکھئے کہ آپ نے اس کو ثواب کے اعتبار سے فرض کے مساوی ارشاد فرمایا ہے، چنانچہ جہاں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ: "**من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه**" یعنی جس نے رمضان کے روزے ایمان کے ساتھ بہ نیت ثواب رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ وہیں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: "**من قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه**" (مسلم شریف) جس نے رمضان کا قیام کیا (تراویح پڑھی) اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تراویح میں بھی فرض ہونے کی پوری استعداد موجود تھی، اور اگر آپ اس کا اہتمام کرتے تو عجب نہیں کہ فرض ہوجاتی، چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مسجد میں ٹاٹ یا چٹائی کا ایک حجرہ (بحالت اعتکاف) بنالیا تھا، اس میں چندرات آپ نے نماز پڑھی، لوگوں کو معلوم ہوا تو لوگ بکثرت جمع ہونے لگے، پھر ایک رات آپ کی آواز نہیں محسوس ہوئی، لوگوں نے سمجھا کہ آپ سو گئے ہیں، اس لئے بعض لوگ کھانسنے کھنکارنے لگے تاکہ آپ تشریف لائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

> **"ما زال بكم الذى رأيت من صنيعكم حتى خشيت ان يكتب عليكم ولو كتب عليكم ماقمتم به فصلوأ يها الناس فى بيوتكم، فان افضل صلوٰة المرء فى بيته الا الصلوٰة المكتوبة."**
>
> (بخاری شریف: کتاب الاعتصام، باب مايكره من كثرة السوال)
>
> میں دیکھتا ہوں کہ (تمہیں اس خاص نماز کا) شوق برابر باقی ہے۔ مجھے ڈر ہوا کہ تم پر وہ فرض ہو جائے گی، اور وہ فرض کردی جاتی تو تم اسے نباہ نہ سکتے، اس

> لئے اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو، کیونکہ نماز گھر ہی میں بہتر ہوتی ہے سوائے فرائض کے۔

اب خیال فرمایئے! اس نماز میں فرض کر دیئے جانے کی صلاحیت تھی، اور صحابہ کرام کو جو شوق تھا اس کی بنیاد پر کچھ دور نہ تھا کہ اس کی فرضیت کا ظہور ہو جاتا، لیکن آپ نے اسے ترک کر دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ گھروں میں پڑھو، اس بات کو امت نے سمجھا۔ آپ کی وفات کے بعد جب فرضیت کا اندیشہ ختم ہو گیا، تو حضرات صحابہ نے اور ان کے بعد امت نے اس کا جو اہتمام کیا اور گھروں میں نہیں مسجدوں میں کیا وہ سب پر ظاہر ہے، یہ ہے منشاء نبوت کو سمجھ کر کسی خاص عمل کے اہتمام کی بنیاد، ورنہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی نماز گھروں میں ہی ہونا چاہئے، لیکن امت نے مسجد میں جو اہتمام والتزام کیا وہ خلاف سنت نہیں ہے بلکہ عین سنت ہے۔

بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> **”لولا ان أشق علی امتی لأ مرتھم بتاخیر العشاء والسواک عند کل صلوٰۃ“** (بخاری ومسلم)
>
> اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا میں انہیں حکم دیتا کہ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھیں، اور ہر نماز کے وقت مسواک کیا کریں۔

دیکھئے یہاں بھی وہی بات ہے کہ امت کی مشقت کے اندیشے سے آپ نے ترغیب سے کام لیا مگر حکم صادر نہیں فرمایا، حالانکہ فرض تاخیر عشاء اور مسواک میں فضائل بہت تھے۔

کیا عجب کہ فرض نمازوں کے بعد دعا کا بھی یہی مقام ہو، چنانچہ حدیثوں میں اس کی ترغیبات کی کثرت دیکھ کر ایسا خیال ہونا بعید نہیں ہے، پھر حدیث سے یہ بھی

ثابت ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب عمل فرائض کی ادائیگی ہے اور فرائض میں سب سے بلند مرتبہ نماز کا ہے، ظاہر ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بندہ کس قدر محبوب ومقبول بن جاتا ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فرض کی مشروعیت اصالۃً جماعت کے ساتھ ہوئی ہے، اور جماعت کا ثواب پچیس یا ستائیں گنا زیادہ ہے، پھر خیال کیجئے کہ محبوبیت کس نقطۂ عروج پر پہونچ جاتی ہے، اس صورت حال میں دعا کی قبولیت کا کیسا اعلیٰ محل نمازی کو حاصل ہوتا ہے محتاج بیان نہیں ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سی دعا حق تعالیٰ کے یہاں زیادہ سنی جاتی ہے یعنی دعا کی قبولیت کی توقع سب سے زیادہ کب ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا:

” **جوف اللیل الآخر ودبر الصلوات المکتوبات** “ رات کے آخری حصے کی دعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا۔

اس بنا پر اگر فرض نماز سے فارغ ہو کر دعا مانگنی فرض ہو جاتی تا کہ ایسا قیمتی وقت کبھی ضائع نہ ہو تو عین مناسب تھا، مگر آپ کی شفقت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ایک اور چیز فرض ہوکر امت کی ذمہ داری بڑھ جائے۔ اس لئے اجتماعی طور پر آپ نے اس کا اہتمام نہ فرمایا ہو اور آپ کے بعد جب یہ احتمال ختم ہو گیا تو خود بخود اس کا دستور بن گیا۔

بظاہر یہ ایک شاعرانہ خیال معلوم ہوتا ہے لیکن جو لوگ نظر انصاف سے غور کریں گے وہ انشاء اللہ اس کو حقیقت سمجھیں گے، دین میں متعدد باتیں ایسی ملتی ہیں جو بذات خود جائز بلکہ بہتر ہیں، لیکن کچھ دوسری اہم مصلحتوں کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان کا اہتمام نہیں فرمایا، بعض چیزوں کو آپ نے ظاہر فرمایا اور بعض چیزوں کو نہیں ظاہر فرمایا، لیکن صحابہ کرام اور ائمہ نے آپ کے منشاء کو سمجھا اور انہوں نے اس کا اہتمام کیا۔

غرض یہ کہ نمازوں کے بعد دعا مانگنا کوئی قابل انکار چیز نہیں ہے بلکہ اس کا انکار قابل نکیر ہے، عجب جمود ہے کہ ان ظاہر پرستوں کو کوئی ایک چیز مل جاتی ہے تو اسی کو لے کر بیٹھ جاتے ہیں پھر انہیں کوئی کتنا ہی سمجھائے اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں، اسے حق و باطل اور سنت و بدعت کا مسئلہ بنا دیتے ہیں، حالانکہ اہل حق کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے سامنے کوئی بات آتی ہے تو اچھی طرح غور کرتے ہیں کہ اس بات کا اثر کہاں کہاں اور کیا پڑتا ہے؟ اسے دیکھتے ہیں پھر کوئی فیصلہ کرتے ہیں، وہ کوئی ایسا فیصلہ نہیں کرتے جس سے گزشتہ علماء و مجتہدین کی تجہیل و تحمیق ہوتی ہو، اپنی عقل و فہم پر اتنا اعتماد کرنا کہ دوسرے سب لوگوں کی فہم، بدفہمی معلوم ہو، دلیل کج روی ہے، یہاں تو کوئی فیصلہ کرتے وقت یہ بات مستحضر رہنی چاہئے کہ اگر اس فیصلے کے خلاف دلیل مل جائے گی تو بلا تکلف اسے قبول کرلوں گا۔

اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمایئے! شیخ عبدالفتاح ابو غدہ علیہ الرحمہ نے علامہ ابن قیم علیہ الرحمہ کی کتاب الروح سے نقل کیا ہے، کہ حضرت امام احمد بن حنبل اور محمد بن قدامہ جوہری ایک جنازہ میں شریک تھے، جب لوگ میت کو دفن کر چکے تو ایک نابینا آدمی قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت کرنے لگا، امام احمد نے اس سے فرمایا کہ اے شخص قبر کے پاس قرآن پڑھنا بدعت ہے، پھر جب دونوں حضرات قبرستان سے باہر نکلے تو حضرت محمد بن قدامہ نے حضرت امام صاحب سے دریافت کیا کہ مبشر حلبی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں یعنی معتبر اور قابل اعتماد ہیں، عرض کیا کہ آپ نے ان سے روایت لکھی ہے؟ فرمایا ہاں، انہوں نے کہا کہ مجھے مبشر نے عبدالرحمٰن بن العلاء بن الجلاج کے حوالے سے بتایا کہ ان کے والد علاء نے وصیت کی تھی جب انہیں دفن کر دیا جائے تو قبر کے سرہانے سورہ بقرہ کی

ابتدائی اور آخری آیات پڑھی جائیں، اور انہوں نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اس کی وصیت کی تھی اور میں نے خود یہ وصیت ان سے سنی تھی، اس پر امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جاؤ اس آدمی سے کہو کہ پڑھے۔

یہ تھی ایک امام برحق کی حق پسندی! اب حال یہ ہے کہ چند حدیثیں کہیں پڑھ لیتے ہیں، ان کا مطلب سمجھیں یا نہ سمجھیں جھنڈا اٹھا لیتے ہیں کہ فلاں بدعت ہے فلاں عمل خلاف سنت ہے، اور نہیں جانتے کہ اگلے علماء اور اکابر کی تضلیل وتحمیق ایک بڑا گناہ ہے۔

ابھی کچھ دنوں پہلے کی بات ہے کہ ایک صاحب کے سر میں سودا سمایا کہ ایصال ثواب غلط ہے، انہوں نے اپنے زعم باطل میں تمام ائمہ محدثین اور اکابر امت کے دامنوں پر ہاتھ ڈال دیا اور اپنے معمولی مطالعۂ کتب اور اپنی نارسا فہم کو وحی الٰہی قرار دے ہر ایک کا گریبان نوچنا چاہا۔

ایک اور صاحب اٹھے انہیں شادی شدہ زنا کار کی سزا رجم-سنگسار کرنے کے خلاف لکھنے کا جوش اٹھا اور ’’حقیقت رجم‘‘ نامی کتاب لکھ کر اپنی عقل وفہم کی پوری رسوائی کر ڈالی، مگر ضد یہ ہے کہ میں نے جو کچھ سمجھا وہی صحیح ہے، ساری امت غلطی پر ہے۔

یہ طریقہ اہل حق کا نہیں ہے، کاش وہ لوگ جو ننگے سر نماز پڑھنے کو قابل فخر سمجھتے ہیں، نمازوں کے بعد دعا مانگنے کو گناہ سمجھتے ہیں، شب برأت کو خرافات قرار دیتے ہیں، آٹھ رکعت تراویح پر ضد کرتے ہیں، ایک مجلس کی تین طلاقوں کو خلاف عقل ونقل ایک ہی قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں، تقلید کو شرک سمجھ کر اباحیت اور آوارگیٔ ذہن میں مبتلا ہیں، سوچتے اور غور کرتے کہ ان کا مزاج شریعت اسلامیہ کے مطلوبہ مزاج واخلاق

سے کتنا دور ہوتا جارہا ہے، ضد اور کجی ان کی فطرت ثانیہ بنتی جارہی ہے۔

وہی جماعت جس کے سربراہ اعلیٰ نے اپنے لوگوں کو ’’ذہنی غلامی‘‘ سے نجات دلانے کا بیڑہ اٹھایا تھا، ابھی حال میں اسی جماعت کے ایک فرد سے ملاقات ہوئی، یہ شخص اسی جماعت کے ایک بڑے ادارہ میں مدرس ہے، اور غالبًا اسی ادارہ سے فارغ بھی ہے، وہ شخص میرے پاس اپنی کسی ضرورت سے آیا تھا، میں نے اسے چائے پیش کی، اس نے بائیں ہاتھ سے پینا شروع کیا، میں نے ادب سے کہا کہ دائیں ہاتھ سے چائیں پئیں، وہ دانت کھول کر مسکراتا رہا اور ٹھیک ہے ٹھیک ہے کہتا رہا، میں نے کئی مرتبہ فہمائش کی مگر وہ اپنے رنگ پر قائم رہا، میں نے کہا کہ اگر کوئی عذر اور مجبوری ہے تو الگ بات ہے، ورنہ دائیں ہاتھ کو ہی استعمال کرنا چاہئے، اس پر اس نے کہا ہاں مجبوری ہے، میں خاموش ہوگیا لیکن میرے دل میں خیال آیا کہ اسے کوئی مجبوری نہیں ہے محض اپنی بات کی پچ میں یہ جھوٹ بولا ہے، میں نے تھوڑے وقفہ بعد کہا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بائیں ہاتھ سے کھانا کھاتے دیکھا تو آپ نے فرمایا دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس نے کہا مجھے اس کی طاقت نہیں ہے، آپ نے فرمایا تمہیں اس کی استطاعت نہ ہو، پس اس کا دایاں ہاتھ سوکھ گیا اور پھر کبھی منہ تک نہ پہونچ سکا۔ (یہ حدیث مسلم شریف میں موجود ہے)

حدیث کا جب یہ قصہ سنایا تب اسے کچھ تنبہ ہوا، کہنے لگا میرا دایاں خوب کام نہیں کرتا، میں نے کہا کہ ’’بہنتھی‘‘ ہو اس نے کہا ہاں، میں نے کہا یہ کوئی غدر نہیں ہے مگر پھر بھی وہ اپنی ضد پر اڑا رہا، تب کئی لوگوں نے للکارا، اور میں نے بھی کہا کہ اب چائے رکھ دو، مت پیو، اتنی تکا فضیحتی کے بعد اس نے پیالی دائیں ہاتھ میں لی۔

میں نے کہا کہ یہ قصور اس امیر جماعت کا ہے، جس نے اپنی جماعت کو مزاج

نبوت اور مزاج صحابہ کے خلاف بالکل دوسرے مزاج پر ڈھالا ہے، اس کے باوجود حق پر وہی ہیں اور دوسرے سب لوگ نظام باطل کے خادم ہیں۔

کیا یہ سنت نہیں ہے کہ اپنا مزاج اپنی طبیعت اور اپنا رنگ ڈھنگ اور اپنا طور طریق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج وطبیعت کے رنگ میں ڈھالا جائے، صرف چند مختلف فیہ مسائل ہی میں انہیں اتباع سنت کا جوش اٹھتا ہے۔

یہ مختلف فیہ مسائل بار بار چھیڑے جاتے ہیں بالخصوص نماز کے بعد دعاء کے مسئلے میں تو وہ لوگ بھی تذبذب کے شکار ہونے لگے ہیں، جن کے اکابر ہمیشہ اس پر کاربند رہے، دارالعلوم دیوبند کے بعض اساتذہ کے بارے میں وہاں کے طلبہ سے سننے میں آتا رہتا ہے کہ وہ شاید علامہ ابن قیم کی تقلید میں اسے غلط اور بدعت یا کم از کم بے اصل سمجھتے ہیں، اس سلسلے میں بعض طالب علموں نے میرے پاس سوال بھیجے، میں نے اپنی استعداد کے مطابق انہیں جواب لکھا۔ عرصہ سے دل میں یہ خیال جما رہا کہ اس موضوع پر کسی محقق عالم کی کوئی تحریر ملے تو اس سے استفادہ کیا جائے، متفرق تحریریں تو اس سلسلے کی کئی ایک مطالعہ میں آئیں، غیر مقلدوں کے مشہور عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری علیہ الرحمہ کے فتاویٰ ثنائیہ میں ان کا ایک مستقل فتویٰ بلکہ رسالہ اس کے استحباب پر ہے۔

ابھی چند ماہ پہلے میرے ایک عزیز حافظ مولوی ضیاء الحق خیرآبادی سلّمہٗ دیوبند سے چند رسالے عالم اسلام کے مشہور عالم ومحدث شیخ عبدالفتاح ابوغدہ علیہ الرحمہ کی تحقیقات وتعلیقات سے مزین لائے، ان میں ایک رسالہ پر نظر پڑی تو طبیعت نہال ہوگئی یہ تین رسالوں کا مجموعہ ہے، اس مجموعہ کا نام ہے:

ثلاث رسائل فی استحباب الدعاء و رفع الیدین بعد الصلوٰۃ

المکتوبة۔

یہ تین رسالے تین ایسے بڑے فقہاء کے ہیں، جو بڑے محدث بھی تھے۔

(۱) پہلا رسالہ ہے " **التحفة المرغوبة فی افضیلة الدعا بعد المکتوبة**" یہ رسالہ مشہور سندھی عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۱۷۴ھ) کا ہے، شیخ ابوغدہ نے اس رسالہ کی تلخیص کی ہے۔

(۲) دوسرا رسالہ " **المنح المطلوبة فی استحباب رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوٰة المکتوبة**" یہ رسالہ ماضی قریب کے ایک بڑے مغربی عالم ومحدث شیخ احمد بن الصدیق الغماری المغربی المتوفی ۱۳۸۰ھ رحمہ اللہ کا تالیف کردہ ہے، اس موضوع پر نہایت محققانہ رسالہ ہے۔

(۳) تیسرا رسالہ "**بسنیة رفع الدین فی الدعاء بعد الصلوٰة المکتوبة**" اس کے مرتب یمن کے ایک بڑی مشہور محدث اور عالم کبیر سید محمد بن مقبول اہدل الیمنی المتوفی ۱۲۵۸ھ ہیں، اس پر مقدمہ اور تعلیقات شیخ احمد بن الصدیق الغماری کے چھوٹی بھائی شیخ ابوالفضل عبداللہ بن الصدیق الغماری المتوفی ۱۴۱۳ھ کے ہیں، پھر اس پر شیخ ابوغدہ نے مزید تحقیقات کا اضافہ کیا ہے۔

یہ تینوں رسالے محقق علماء کے مرتب کردہ ہیں، پھر ان پر شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کے عالمانہ تعلیقات نے ان کی قدر و قیمت بڑھادی ہے۔

میں نے جب ان تینوں رسائل اور شیخ کی تعلیقات کا مطالعہ کیا، تو بے اختیار جی میں آیا کہ قدرے حذف واختصار کے ساتھ تینوں رسالوں کو اردو میں منتقل کردیا جاتا تو اردوخواں افراد کیلئے بھی اور علماء حضرات کیلئے بھی بصیرت کا ایک سامان ہوجاتا۔

اس کام کیلئے میں نے اپنے ایک عزیز مولانا مفتی ولی اللہ صاحب فتحپوری سلّمہٗ

...... جو آج کل میرے قریب ہی جامعۃ الفلاح بلریا گنج میں استاد حدیث ہیں ...... سے کہا۔ انہوں نے اسے بہت خوشی سے قبول کیا، اللہ کی مدد اور تائید سے انہوں نے تینوں رسالوں کی عمدہ تلخیص تیار کر دی، ارادہ ہوا کہ ماہنامہ انوار العلوم (۱) کا ایک شمارہ اسی کے لئے مختص کر دیا جائے، اور اس پر یہ خاکسار ایک مبسوط مقدمہ اور ایک خاتمہ لکھ دے۔

اللہ کے فضل وکرم سے یہ مقدمہ اور خاتمہ بھی لکھ دیا گیا، اللہ تعالیٰ ان تینوں تحریروں کو قبول فرمائیں اور تمام مسلمانوں کیلئے نافع بنائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

(۱) پہلے یہ مضمون مدرسہ انوار العلوم، جہانا گنج، اعظم گڈھ کے ترجمان ’’ماہنامہ انوار العلوم‘‘ کی خصوصی اشاعت ’’نماز کے بعد دعاء کی اہمیت‘‘ (جون، جولائی ۱۹۹۹ء) میں شائع ہوا، اور اب جدید کتابت کے بعد احقر کی تصحیح وترتیب کے ساتھ دوبارہ کتابی شکل میں مکتبہ ضیاء الکتب خیر آباد ضلع مئو سے شائع ہو رہا ہے۔

(ضیاء الحق خیر آبادی، مدرس مدرسہ سراج العلوم، چھپرا، چریا کوٹ، ضلع مئو)

نماز کے بعد دعاء

مولانا مفتی ولی اللہ مجید قاسمی

دعا کی حقیقت اور فضیلت:

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، تمام طاقت وقدرت کا مالک ہے، انسان بلکہ کائنات کی تمام ضرورتوں اور حاجتوں کی کلید اسی کے ہاتھوں میں ہے، دوسری طرف انسان سراپا نیازمند، عاجز اور لاچار ہے، قدم قدم پر اللہ کی قدرت ورحمت کا محتاج ہے، اس کا کوئی لمحہ احتیاج سے خالی نہیں ہے، وہ ہر وقت دستگیری اور مدد کا طالب ہے۔

اللہ کی یہ بے پناہ قدرت ہر گھڑی انسان کی دیکھ ریکھ، دستگیری اور مدد کرتی ہے، اس لئے کہ اللہ رب ہے اور انسان ایک بچہ کی طرح اس کی تربیت کا محتاج، اور محتاج کو حاجت روا کے سامنے ہاتھ پھیلانا ہے، ضرورت مند کو داتا سے سوال ناگزیر ہے، لاچار کو غنی مطلق سے فریاد کرنا ہے، بندہ کو آقا اور مالک سے مانگنا ہے، اسی کو دعاء کہتے ہیں۔

اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن حکیم کی پہلی سورت میں ابتداءً اللہ کی شان ربوبیت اور بے پناہ قدرت وطاقت کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اسی کے سامنے دست استعانت دراز کیا جائے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ وہ ہر چیز کے لئے صرف مولائے حقیقی

کی طرف نگاہ اٹھائے، اسی کے سامنے اپنی عاجزی، لاچاری محتاجی اور مسکینی کا اظہار کرے، معمولی سے معمولی چیز بھی اسی سے مانگے۔ چنانچہ حدیث میں کہا گیا ہے کہ اپنی تمام ضرورتیں اللہ سے کہو، یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو بھی اسی سے مانگو۔ (سنن ترمذی، ص:۲۰۱، ج:۲)

اور غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو عبادت اور استعانت میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ عبادت بندگی سے عبارت ہے، کسی کے در کا غلام بن جانا ہی عبدیت ہے، خود حوالگی اور خود سپردگی، فداکاری اور قربانی ہی روح عبادت ہے، دعا کے ذریعہ بھی بندہ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیتا ہے، اس کے سامنے عجز و بے چارگی کا مجسم اقرار بن جاتا ہے، اس کی ربوبیت اور اپنی لاچاری اور مجبوری کا اعتراف کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ الٰہی! میں بندہ اور غلام ہوں اور کسی چیز کا مالک نہیں، سراپا محتاج ہوں، تیرے در کا بھکاری ہوں، اور تیرے دست قدرت میں سب کچھ ہے، تو ہر چیز کا مالک اور داتا ہے، اسی لئے حدیث میں دعا کو عین عبادت کہا گیا ہے "**الدعاء هو العبادة**"(۱) اور بطور دلیل اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

"**وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ، اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ**" (سورہ غافر:۶۰)

اور تمہارے پروردگار نے کہا ہم سے دعا کرو، ہم تمہاری دعا قبول کریں گے، اور جو لوگ غرور کی وجہ سے میری عبادت سے روگردانی کرتے ہیں تو وہ جلد ہی ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔

---

(۱) سنن ترمذی، ص:۱۵۷اج:۲، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ غافر وقال **حسن صحیح**۔ ابوداؤد، ج:۱، ص:۲۰۸، کتاب الصلوٰۃ۔ سنن ابن ماجہ، ص:۲۷۱، **باب فضل الدعاء** وغیرہ

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالی نے دعا کا حکم دیا ہے اور دعاء سے سرتابی کو عبادت سے روگردانی قرار دیا ہے، اوروجہ یہ ہے کہ جب بندہ دعاء کے ذریعہ اپنی عاجزی، شکستگی اور نیازمندی کا اظہار کرتا ہے، اوراللہ عزوجل کی بے نیازی اورقدرت ورحمت کے گیت گاتا ہے، بےچینی اورتڑپ، بےاطمینانی اور بےقراری، گریہ وزاری کے ساتھ اللہ کے حضور دست سوال پھیلاتا ہے تو وہ بندگی اور غلامی کا ایک پیکر بن جاتا ہے، اور بندہ کی یہ ادا ربِ حقیقی کو بہت پسند ہے، اوروہ اس سے خوش ہوتا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہے، **لیس شئی اکرم علی اللہ من الدعاء**۔ (سنن ترمذی، ص:۱۷۳، ج:۲۔ سنن ابن ماجہ، ص:۲۷۱)

اور دعا سے روگرانی دراصل اللہ کی بندگی سے انکاراوراپنی بے نیازی کا اظہار ہے، اورایسا کرنے والا یقیناً اس کے غضب کا مستحق اور جہنم کا حقدار ہے، جیسا کہ اللہ کے آخری نبی کا اعلان ہے (ان پر درود وسلامتی نازل ہو) **من لم یسال اللہ یغضب علیه**، جواللہ سے نہیں مانگتا ہے تو اللہ اس پر غصہ ہوتا ہے۔ (سنن ترمذی، ص: ۱۷۳، ج:۲۔ سنن ابن ماجہ میں ہے: **من لم یدع اللہ سبحانه غضب علیه** ص:۲۷۱)

دعا مومن کا ہتھیار ہے، جس کی برکت سے وہ کامیاب ہوتا ہے، اس کے ذریعہ ظاہر وباطن روشن ہوجاتے ہیں، اس کی نگاہوں سے تاریکی کا پردہ ہٹ جاتا ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ:

”الدعاء سلاح المومن وعماد الدین ونور السمٰوات والارض.“

دعا مومن کا ہتھیار، دین کا ستون اورآسمان وزمین کی روشنی ہے۔

(مستدرک حاکم (الحصن:۱۸)

اس ہتھیار میں وہ صلاحیت ہے کہ اس کے ذریعہ قضاء وقدر میں تبدیلی ہوسکتی

ہے، طے شدہ مصیبت ٹل سکی ہے، یا اس قدر آسان ہو جاتی ہے کہ اس کی شدت اور سختی کا کچھ پتہ نہیں چلتا ہے، گویا دعا قضاء وقدر کے لئے ایک ڈھال بن جاتی ہے، چنانچہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"لایرد القضاء الا الدعاء"

صرف دعا کے ذریعہ مقدر بدل سکتا ہے۔

(سنن ترمذی، ص: ۳۶، ج: ۲، ابواب القدر، قال حسن۔ سنن ابن ماجہ، ص: ۱۰، باب القدر)

اور ایک دوسری روایت میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

لا یغنی حذر میں قدر والدعاء ینفع مما نزل ومما لم ینزل وان البلاء لینزل یتلقاہ الدعاء فیعتلجان الی یوم القیامة۔

محتاط ہونا تقدیر کے مقابلہ میں کچھ مفید نہیں ہوتا، البتہ دعا نافع ہے اس مصیبت میں بھی جو نازل ہو چکی ہے اور اس مصیبت میں جو ابھی نازل نہیں ہوئی ہے، اور مصیبت اترتی رہتی ہے کہ دعا اس سے جا کر ٹکرا جاتی ہے، پھر دونوں قیامت تک الجھے رہتے ہیں۔ (مستدرک حاکم، مسند بزار، معجم طبرانی اوسط (الحصن: ۱۵)

مومن کی شان یہ ہے کہ وہ رنج وراحت، خوشی وغمی، تنگی وفراخی ہر حال میں اللہ کو یاد رکھتا ہے، یہ مشرک کی علامت اور عادت ہے، کہ وہ مصیبت کے وقت تو لمبی چوڑی دعا کرتا ہے، اور خوشی میں اسے بھول جاتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

"وَاِذَا اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰبِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوۡ دَعَاءٍ عَرِيۡضٍ. "(سورہ حم السجدة: ۵۱)

جب ہم انسان پر فضل وانعام کرتے ہیں تو وہ ہم سے رخ موڑے ہوئے ہوتا

ہے، اور جب تکلیف پہونچتی ہے تو لمبی چوڑی دعا کرتا ہے۔

اور اللہ کے نیک بندوں کی یہ پہچان بتلائی گئی ہے کہ وہ ہمہ وقت اس کی یاد میں مشغول رہتے ہیں، اور ہر حال میں اس کے فضل وکرم کے امیدوار بن کر اس کے حضور دست سوال دراز کرتے ہیں، نیز خوشحالی اور فراخی میں اسے یاد رکھنے سے انسان آفت وبلا سے محفوظ رہتا ہے، اور کوئی مصیبت آپڑے تو وہ بھی دعا کے ذریعہ جلد ختم ہوجاتی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، کہ جسے یہ پسند ہو کہ سختی اور مصیبت کے وقت اللہ اس کی دعا قبول کرے، تو اسے خوشحالی کے وقت خوب دعا کرنی چاہئے۔ (سنن ترمذی وقال حسن غریب (الاذکار، ص: ۴۸۵)

شرائطِ قبولیت:

یاد رکھئے کہ دعا کی توفیق ہوجانا ہی اس کی قبولیت کی علامت ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

”من فتح له فی الدعاء منکم فتحت له ابواب الاجابة .“

جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل جاتا ہے، اس کے لئے قبولیت کا دروازہ بھی کھول دیا جاتا ہے۔ (مصنف أبی شیبة (الحصن: ۱۴)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کیلئے رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، (۱) بشرطیکہ زبان کے ساتھ دل بھی دعا کی طرف متوجہ ہو، کیونکہ اللہ کسی غافل دل والے کی دعا قبول نہیں فرماتے، جیسا کہ حدیث میں ہے (۲) ناجائز اور حرام چیزوں سے پرہیز کرے، (۳) دعا کرکے جلد بازی اور مایوسی کا شکار نہ ہو، یہ نہ کہنے لگے کہ میں نے دعاء کی پر وہ قبول نہ ہوئی، اس کی قبولیت پر یقین ہو، اللہ کی حمد

---

(۱) سنن ترمذی، ج:۲، ص:۱۹۳، (۲) ایضاً، ج:۲، ص:۱۸۶، (۳) صحیح مسلم، ج:۱، ص:۳۲۶

اور درود شریف پڑھنے کے بعد دعا کرے اور آخر میں درود پڑھ کر دعا ختم کرے، (۱) ان تمام چیزوں کی وضاحت حدیث میں موجود ہے، اگر کوئی شخص دعا کے آداب وکیفیات کی رعایت کرتا ہے تو اس کی دعاء ضرور قبول ہوگی۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے۔ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ، تم مجھ سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

قبولیت دعاء کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ انسان جس چیز کی دعا کرے وہی اس کو مل جائے، کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ انسان اپنے ناقص علم کی بنیاد پر ایسی چیز مانگ بیٹھے جو اس کیلئے نقصان دہ ہو، ایسی صورت میں مطلوبہ چیز دینے کا مطلب ہے اسے وبال میں مبتلا کرنا، اس لئے حکیم مطلق اپنی حکمت کے مطابق کبھی بعینہ مطلوبہ چیز اسے عطا کرتا ہے اور کبھی قدرے تاخیر سے دیتا ہے، اور کبھی اس کی وجہ سے آنے والی مصیبت ٹل جاتی ہے، اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کو آخرت میں ایک ذخیرہ بنادیا جاتا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو بھی مسلمان کسی چیز کیلئے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ ضرور عطاء ہوتی ہے، یا تو مانگی مراد مل جاتی ہے، یا آخرت میں اس کیلئے ذخیرہ کردیا جاتا ہے۔ (۲) اور جب مومن آخرت میں اس ذخیرہ کو دیکھے گا تو بے اختیار کہہ اٹھے گا اے کاش دنیا میں میری کوئی دعا قبول نہ ہوتی۔ (کنز العمال، ج:۲، ص:۵۷)

فرض نماز کے بعد دعا کی اہمیت:

قبولیت دعاء کے سلسلہ میں موقع ومحل کی رعایت خاص اہمیت رکھتی ہے، اس لئے احادیث میں آداب دعاء کے ساتھ مختلف اوقات ومقامات کا بھی بیان ہے کہ ان موقعوں پر اللہ کی خصوصی توجہ اپنے بندوں کی طرف ہوتی ہے، صحابہ کرام ان مواقع کی جستجو اور تلاش میں رہا کرتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق دریافت

---

(۱) ابوداؤد، ج:۱، ص:۲۰۸، سنن ترمذی، ج:۲، ص:۱۸۶، وقال حسن صحیح (۲) مسند احمد، ج:۳، ۱۸

کرتے، چنانچہ حضرت ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ:

۱ **قیل یا رسول اللہ أیُّ الدعاء أسمع؟ قال جوف اللیل الاخیر ودبر الصلوات المکتوبات۔** (سنن ترمذی، ج:۲، ص:۱۸۸، کتاب الدعوات)

پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ ارشاد فرمایا جو رات کے آخری پہر اور فرض نمازوں کے بعد کی جائے۔

وجہ یہ ہے کہ نماز بندگی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے، اس لئے جب وہ اللہ کے سامنے قیام، رکوع اور سجدہ کے ذریعہ بندگی وغلامی کا اقرار اور اعتراف کرلیتا ہے، تو ذات باری کی خصوصی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور جو دعاء کرتا ہے قبول ہوتی ہے، اسی لئے موقع شناس اور شئون اللہ کی عارف ہستی نے بڑی تاکید کے ساتھ نماز کے بعد دعاء کی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

۲ **یا معاذ اللہ انی لاحبک فلا تدع دبر کل صلاۃ أن تقول: اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔**

(ابوداؤد، ج:۱، ص:۲۰۳، باب الاستغفار، وصححہ ابن حبان، ج:۵، ص:۳۶۴۔۳۶۶، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی القنوت، مستدرک حاکم، ج:۱، ص:۲۷۳، وقال صحیح علیٰ شرط الشیخین، وقال النووی: إسنادہ صحیح، إعلاء السنن، ج:۳، ص:۱۶۱)

معاذ! خدا کی قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں (اور اس محبت کی وجہ سے تم سے کہہ رہا ہوں) کہ کسی نماز کے بعد یہ دعا نہ چھوڑنا، کہ اے اللہ! ذکر وشکر اور بہترین عبادت کیلئے میری مدد فرما۔

اور خود آپ ﷺ کا طرز عمل مشہور صحابی سعد بن ابی وقاص یہ نقل کرتے ہیں کہ:

۳ **ان رسول اللہ صلی ﷺ کان یتعوذ دبر الصلاۃ اللھم انی اعوذبک من الجبن واعوذبک من ان ارد الی ارذل العمر واعوذبک من فتنۃ الدنیا و اعوذبک من عذاب القبر۔**

(صحیح بخاری، ج:۱، ص:۳۹۶، فی اوائل کتاب الجہاد)

اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد ان الفاظ کے ذریعہ اللہ کی پناہ طلب کرتے تھے، اللہ میں بزدلی، ناکارہ عمر کی طرف لوٹ جانے، دنیاوی فتنے اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

۴ حضرت ابوبکرہؓ سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے **(یدعوبھن دبر کل صلاۃ)**

۴ **اللھم انی اعوذبک من الکفر والفقر وعذاب القبر.**

خدایا میں کفر، فقر اور عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

(مسند احمد، ج:۵، ص:۳۹۔ سنن نسائی، ج:۱، ص:۱۹۸، کتاب السہو، باب التعوذ فی دبر الصلوٰۃ۔ مستدرک حاکم، ج:۱، ص:۲۵۲، ۲۵۳، اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے النکت الظراف، ج:۹، ص:۵۷ میں کہا کہ حدیث حسن ہے)

۵ **عن زید بن ارقم قال سمعت رسول اللہ ﷺ یدعو فی دبر کل صلاۃ: اللھم ربنا ورب کل شئی انا شھید انک انت الرب وحدہ لا شریک لک، اللّٰھم ربنا ورب کل شئی انا شھید ان محمدا عبدک ورسولک، اللّٰھم ربنا ورب کل شئی انا شھید ان العباد کلھم اخوۃ، اللّٰھم ربنا ورب کل شئی اجعلنی مخلصا لک واھلی فی کل ساعۃ فی الدنیا والآخرۃ ذاالجلال والاکرام، اسمع**

واستجب، اللّٰہ اکبر الاکبر، اللّٰہ نور السمٰوات والارض، اللّٰہ اکبر الاکبر، حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل، اللّٰہ اکبر الاکبر ۔(سنن ابوداؤد، ج:۱، ص: ۲۱۱، باب مایقول الرجل إذا سلم۔ عمل الیوم واللیلة، ص:۱۸۳، ۱۸۴، للنسائی)

زید بن ارقم کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے سنا ہے کہ اے اللہ! ہمارے پروردگار اور ہر چیز کے پالنہار، میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ تو رب ہے، اکیلا ہے تیرا کوئی ساجھی نہیں، اے اللہ! ہمارے اور تمام چیزوں کے رب، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد تیرے بندہ اور رسول ہیں، اے اللہ ہمارے پالنے والے اور تمام چیزوں کے پالنے والے، میں گواہی دیتا ہوں ہوں کہ تمام بندے بھائی بھائی ہیں۔ اے اللہ! ہمارے اور تمام چیزوں کے پالنہار، مجھے اور میرے متعلقین کو ہر وقت دنیا وآخرت میں اخلاص کے ساتھ رکھ، اے عظمت و بزرگی والے ہماری دعاء سنئے اور قبول کیجئے، اللہ ہر بڑے سے بڑا ہے۔ اللہ آسمان اور زمین کی روشنی ہے، اللہ ہر بڑے سے بڑا ہے، اللہ کافی ہے، اور کارساز ہے، اللہ ہر بڑے سے بڑا ہے۔

عن ابی امامة قال ما دنوت من رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی دبر کل صلاة مکتوبة ولا تطوع إلا سمعته یقول: اللهم اغفرلی ذنوبی وخطایای کلها اللهم انعشنی واجبرنی واهدنی لصالح الاعمال والاخلاق انه لایهدی لصالحها ولا یصرف سیئها الا انت ۔

(عمل الیوم واللیلة، لابن السنی، ص:۱۰۴، امام طبرانی نے بھی معجم کبیر میں اس کی روایت کی ہے، اور محدث ہیثمی نے کہا کہ اس کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں، سواء زبیر بن خریق کے، لیکن وہ بھی قابل اعتماد ہیں، (مجمع الزوائد، ج:۱، ص:۱۱۲)

حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ فرض یا نفل نماز میں جب بھی مجھے آنحضرت ﷺ

کے قریب رہنے کا موقع ملا میں نے نماز کے بعد آپ ﷺ کو یہ پڑھتے ہوئے سنا، بار الٰہا! میری تمام خطاؤں اور گناہوں کو بخش دے، اے اللہ! میرا مرتبہ بلند اور میری غلطیوں کی تلافی کر دے، مجھے اچھے اعمال اور اخلاق کی طرف راستہ دکھلا، کیونکہ تو ہی نیکی کی طرف رہنمائی کر سکتا ہے اور صرف تو ہی بری باتوں سے پھیر سکتا ہے۔

مذکورہ دعائیں اور اس کے علاوہ اور بہت سی دعا نماز کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جن میں سے بعض کا تذکرہ آئندہ ہوگا۔ مذکورہ روایتوں میں ’’نماز کے بعد‘‘ کی تعبیر ’’دبر الصلاۃ‘‘ کے لفظ سے کی گئی ہے، ’’دبر‘‘ پچھلا اور آخر کے معنیٰ میں آتا ہے لیکن ’’بعد‘‘ کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے، بہت سی احادیث میں ’’بعد‘‘ کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابوامامہ کی ذکر کردہ حدیث حضرت ابوایوب سے بھی منقول ہے، لیکن اس میں ’’دبر کل صلاۃ ‘‘ کی جگہ یہ الفاظ آئے ہیں۔

ما صليت خلف نبيكم الا سمعته حين ينصرف اللهم اغفرلی خطایای وذنوبی کلها (امام طبرانی نے معجم صغیر اور اوسط میں یہ روایت نقل کی ہے، اور ہیثمی نے کہا کہ اس کی سند جید ہے۔ (مجمع الزوائد، ج:۱، ص:۱۱۱)

میں نے تمہارے نبی ﷺ کے پیچھے جب بھی نماز پڑھی ہے تو نماز سے پھرنے کے بعد یہ کہتے سنا ہے اے اللہ میری تمام خطاؤں اور گناہوں کو بخش دے۔

۷ مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فراغت اور سلام کے بعد یہ کہا کرتے۔

لا اله الا اللّٰه وحده لا شريک له، له الملک وله الحمد، وهو علی کل شئی قدير، اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطی لما منعت

ولا ينفع ذالجد منک الجد.

اللہ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کی سلطنت ہے اور سب تعریف اسی کیلئے ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! جو چیز تو عطا کرنے والا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا، اور جس چیز کو تو روک لے کوئی اسے دے نہیں سکتا ہے، اور دولت مند کو اس کی دولت نفع نہیں دے سکتی ہے۔

یہ روایت امام بخاری نے ”کتاب الدعوات“(۱) میں ان الفاظ کے ساتھ **كان يقول في دبر صلاته اذاسلم** نقل کی ہے، اور یہی دعا امام بخاری نے ”کتاب الاعتصام“(۲) میں اسی طرف نقل کی ہے ”**كان يقول هذه الكلمات دبر كل صلاة**“ یہ کلمات آنحضرت ﷺ ہر نماز کے بعد کہا کرتے تھے۔ اور ”کتاب الصلاة“ ”**باب الذكر بعد الصلاة**“ میں ”**دبر كل صلاة مكتوبة**“ کا لفظ استعمال ہوا (ہر فرض نماز کے بعد) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ”**دبر**“ اور بعد دونوں کا معنیٰ ایک ہے، اسی لئے کہیں ”**اذا فرغ من الصلاة وسلم**“ (نماز سے فراغت اور سلام کے بعد) آیا ہے اور کہیں ”**دبر صلاة**“ کہہ دیا گیا۔

۸ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق منقول ہے کہ وہ سلام کے بعد (**دبر كل صلاة حين يسلم**) یہ دعاء پڑھتے۔

لا الٰه الا الله وحده لا شريک له ، له الملک و له الحمد وهو علٰى كل شئى قدير، لاحول ولا قوة الا بالله، لا نعبد إلا إياه، له النعمة وله الفضل، وله الثناء الحسن، لا اله الا الله مخلصين له الدين ولو

---

(۱) صحیح بخاری، ص:۹۳۷، صحیح مسلم میں روایت کے الفاظ یہ ہیں: **كان إذا فرغ من الصلاة وسلم**، صحیح مسلم، ج:۱، ص:۲۱۸، **باب استحباب الذكر بعد الصلاة** (۲) بخاری شریف: ج:۲، ص:۱۰۸۳، **باب مايكره من كثرة السوال.**

کره الكافرون۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا ساجھی نہیں، اسی کی سلطنت ہے، اور سب تعریف اسی کیلئے ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، طاقت وقوت اللہ ہی کی مدد سے ہے، ہم صرف اسی کی بندگی کرتے ہیں، نعمت وفضل اسی کے لئے ہے اور اسی کے لئے اچھی تعریف ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم خالص اسی کے دین کو مانتے ہیں، اگرچہ کافر اسے ناپسند کریں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعاء پڑھتے تھے (**يهلل بهن دبر كل صلاة**) (صحیح مسلم، ج:۱، ص:۲۱۸، کتاب المساجد، **باب استحباب الذكر بعد الصلاة**۔ سنن ابوداؤد، ج:۱، ص:۲۱۱، **باب مايقول الرجل إذا سلم**، ایک دوسری سند سے الفاظ یہ ہیں، **سمعت عبد الله بن الزبير يقول كان النبی ﷺ اذا انصرف من الصلوٰة يقول**)

۹ عن كعب بن عجرة عن رسول الله ﷺ قال معقبات لا يخيب قائلهن او فاعلهن دبر كل صلاة مكتوبة ثلاثاً وثلاثين تسبيحة وثلاثاً وثلاثين تحميدة واربعاً وثلٰثين تكبيرة۔ (صحیح مسلم، ج:۱، ص:۲۱۹، کتاب المساجد)

کعب بن عجرۃ سے روایت ہے کہ ان کا کہنے والا یا کرنے والا نامراد نہیں ہوتا ہے، ہر فرض نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، اور ۳۴ دفعہ اللہ اکبر۔

۱۰ عن ابی هريرة عن رسو ل الله ﷺ قال من سبح الله دبر كل صلاة ثلاثاً وثلاثين وحمدالله ثلاثاً وثلاثين وكبرالله ثلاثاً وثلاثين فتلك تسعةً وتسعون وقال تمام المائة: لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو علیٰ كل شئی قدير، غفرت

خطایاہ ولو کان مثل زبد البحر ۔(حوالہ مذکور)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر، یہ ننانوے ہوئیں، اور سو پورا کرے **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک، ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر** کہہ کر، اس کی تمام خطائیں بخش دی جائیں گی، گرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

تمام محدثین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ مذکورہ تسبیح نماز کے بعد پڑھی جائے گی اور یہ کہ احادیث میں وارد لفظ ''**دبر**'' بعد کے معنی میں ہے، ایسے ہی بہت سی احادیث میں نماز کے بعد **قل اعوذ برب الفلق**، **قل اعوذ برب الناس**، اور آیۃ الکرسی پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

چنانچہ امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے کہ:

امرنی رسول اللہ ﷺ ان اقراء بالمعوذتین دبر کل صلاۃ ۔(الاذکار، ص:۱۱۱۔ صحیح ابن خزیمہ، ج:۱، ص:۲۷۲۔ صحیح ابن حبان، ج:۵، ص:۳۴۴ میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے: **إقرؤا المعوذات فی دبر کل صلاۃ**۔)

اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ ہر نماز کے بعد سورۂ ناس اور فلق پڑھوں۔

اور حضرت ابوامامہ سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: **من قرأ آیۃ الکرسی دبر کل صلاۃ مکتوبۃ لم یمنعہ من دخول الجنۃ الا ان یموت** (عمل الیوم واللیلۃ، ص:۱۸۲/۸۳ للنسائی، کتاب الصلوٰۃ لابن حبان وصححہ کما فی الترغیب للمنذری، ج:۲، ص:۴۵۳، علامہ منذری نے کہا کہ اسے امام نسائی اور طبرانی نے متعدد سندوں سے نقل کیا ہے، جن میں ایک سند صحیح ہے اور ان کے شیخ ابوالحسن نے کہا کہ وہ امام بخاری کی شرط کے مطابق ہے (حوالہ مذکور)

ان احادیث میں بھی ''بعد'' کے مفہوم کو ادا کرنے کیلئے ''دبر'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ یہاں ''دبر'' بعد ہی کے معنی میں ہے اور سورہ فلق، ناس اور آیۃ الکرسی نماز کے بعد ہی پڑھی جائے گی۔ خود علامہ ابن تیمیہ -----جو دعا کے سلسلہ میں مذکورہ احادیث میں وارد ''لفظ دبر'' کو آخر کے معنی میں لیتے ہیں، اور صرف درود کے بعد سلام سے پہلے دعا کے قائل ہیں، اور نماز کے بعد دعا کا انکار کرتے ہیں، اذکار وتسبیحات اور آیۃ الکرسی سے متعلق احادیث میں ''دبر'' سے ''بعد'' ہی کا مفہوم مراد لیتے ہیں۔ (علامہ ابن قیم نے زادالمعاد، ج:۱، ص:۱۶۱ میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مذکورہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتے تھے)

ایک ہی لفظ سے کہیں ''آخر'' اور دوسری جگہ ''بعد'' کا معنی مراد لینے کے لئے کیا دلیل اور کیا قرینہ ہے، فرق کی بنیاد کیا ہے؟ مجھے اس سلسلہ میں ان کی طرف سے کوئی وضاحت نہ مل سکی۔ بلکہ اس کی وجہ سے بہت صحیح احادیث کا انکار لازم آتا ہے۔ اس لئے درست یہی ہے کہ تشہد اور درود کے بعد نماز کے آخر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا منقول ہے اور نماز کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرنا ثابت ہے، اور نماز کے آخر میں جو دعائیں ثابت ہیں ان کے لئے عام طور پر احادیث کی کتابوں میں اس طرح کے الفاظ ملتے ہیں۔

(الف) حضرت ابو ہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم آخری تشہد سے فارغ ہو جاؤ تو چار چیزوں سے اللہ کے پناہ چاہو۔ **اذا فرغ أحد کم من التشھد الا خیر فلیعوذ باللہ من اربع الخ**

(ب) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول نماز میں یہ دعاء پڑھتے تھے۔ **ان النبی ﷺ کان یدعو فی الصّلاۃ۔**

(ج) حضرت علی نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخر میں تشہد اور سلام کے درمیان یہ پڑھا کرتے۔ **یکون من آخر مایقول بین التشهد والتسلیم۔**

(د) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا مجھے ایسی دعاء سکھا دیجئے، جسے میں نمازوں میں پڑھا کروں۔ **علمنی دعاءً ادعو به فی صلاتی.**

(ہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے پوچھا تم نماز میں کیسے دعا کرتے ہو۔ **کیف تقول فی الصّلاة۔** (مذکورہ روایتیں صحیح بخاری ومسلم یا ان میں سے کسی ایک سے لی گئی ہیں، صرف آخری روایت سنن ابوداؤد کی ہے، دیکھئے: الاذکار، ص: ۱۰۵/۱۰۷)

اور نماز کے بعد کی دعاؤں کے لئے **اذا سلم** (جب سلام پھیر لیتے) **اذا انصرف**، جب نماز سے پھر جاتے، "**دبر الصّلاة**" (نماز کے بعد) جیسے الفاظ منقول ہیں۔

غور کیجئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کس قدر وضاحت کے ساتھ نقل کر رہے ہیں، کہ یہ دعائیں نماز کے اندر پڑھی جائیں گی، اور جو دعائیں نماز کے بعد پڑھی جاتی ہیں اس کے لئے دوسرے الفاظ استعمال کر رہے ہیں۔ کیونکہ انھیں علم تھا کہ ایسا نہ کیا جائے تو پھر دونوں میں فرق کرنا مشکل ہو جائے گا۔ اور ان کے بعد آنے والے کتاب وسنّت کے ماہر شناور، شارح وترجمان، محافظ وپاسبان، سنت پر مر مٹنے والے، بدعت کے خلاف شمشیر برہنہ محدثین وفقہاء نے ان احادیث سے یہ ثابت کیا کہ نماز کے اندر بھی دعا ہے، اور نماز کے بعد بھی۔ چنانچہ امام بخاری عنوان قائم کرتے ہیں۔ "**باب الدعاء بعد الصّلوٰة** (ج:۱، ص: ۹۳۶/۹۳۷) شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں امام بخاری یہ عنوان قائم کر کے ان لوگوں کا رد کرنا چاہتے ہیں جو

نماز کے بعد دعا کے قائل نہیں۔ (فتح الباری، ج:۱، ص:۱۱۱)

اور امام ابوداؤد یہ عنوان قائم کر کے **"مایقول الرجل اذا سلم"** (سلام کے بعد انسان کیا پڑھے) حضرت مغیرۃ، عبداللہ بن زبیر، زید بن ارقم، اور حضرت علی کی حدیث نقل کرتے ہیں، (سنن ابوداؤد، ج:۱، ص:۲۱۱/۲۱۲) اول الذکر تین روایتیں حدیث نمبر ۷، ۸، ۵ کے تحت گزر چکی ہیں، اور حضرت علی سے منقول حدیث نمبر ۱۲ پر آرہی ہے۔

ایسے ہی امام نسائی نے عنوان قائم کیا ہے **"نوع آخر من الذکر والدعاء بعد التسلیم"** (سلام کے بعد ذکر ودعاء) اور اس ذیل میں حضرت عائشہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ان کے پاس ایک یہودیہ نے آکر عذاب قبر کا تذکرہ کیا، اور انھوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کے متعلق دریافت فرمایا، تو آپ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی اور اس کے بعد سے آپ ﷺ کا یہ معمول بن گیا کہ ہر نماز کے بعد جہنم کی تپش اور عذاب قبر سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے۔ **فما صلّٰی بعد یومئذ صلاة إلاقال فی دبر الصّلاة: ربّ جبریل و میکائیل واسرافیل اعذنی من حرالنار وعذاب القبر۔** (سنن نسائی، ج:۱، ص:۱۹۷)

اس کے علاوہ دیگر محدثین اور چار مشہور ائمہ فقہ اور ان کے پیروکاروں کے یہاں بھی نماز کے بعد دعاء کا تصور ملتا ہے، گویا کہ اس پر ایک طرح سے اتفاق ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ اس سے متعلق مذکورہ احادیث کے علاوہ اور بہت سی صحیح، واضح اور صریح حدیثیں موجود ہیں، جن میں چند یہ۔

۱۱ عن البراء قال کنا اذا صلینا خلف رسول الله ﷺ أحبينا ان نکون عن یمینه یقبل علینا بوجهه قال فسمعته یقول: رب قنی عذابک یوم تبعث عبادک أوتجمع عبادک (صحیح مسلم، ج:۱، ص:۲۴۷،

کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب استحباب یمین الامام)

براء بن عازب کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ہم نماز پڑھتے تو ہماری خواہش ہوتی کہ آپ کے داہنی طرف رہیں تا کہ آپ سلام پھیر کر ہماری طرف متوجہ ہوں، تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: میرے رب جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا اس دن عذاب سے مجھے بچا۔

۱۲ عن علی قال کان رسول اللہ ﷺ اذا سلم من الصلاۃ قال: اللھم اغفرلی ماقدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم به منی، انت المقدم وانت الموخرلا اله الاانت۔

اے اللہ میرے اگلے پچھلے، ظاہر اور پوشیدہ گناہ اور حد سے تجاوز کو معاف کردے، اوران خطاؤں کو بخش دے جس کو آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ آگے بڑھانے اور پیچھے کرنے والا تو ہی ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ (سنن ابوداؤد، ج:۱، ص:۲۱۲، صحیح ابن حبان، ج:۵، ص:۳۷۲، کتاب الصلوٰۃ فصل من القنوت، سنن ترمذی، وقال حسن صحیح، کذافی النبیل، ج:۲، ص:۲۰۵، اعلاء السنن، ج:۳، ص:۱۵۹)

۱۳ عن صهیب رفعه أن النبی ﷺ کان یقول اذا انصرف من الصلاۃ: اللّٰھم اصلح دینی الذی جعلته عصمة امری واصلع دنیای التی جعلت فیھا معاشی، اللّٰھم انی اغوذبرضاک من سخطک وأعوذبعفوک من نقمتک وأعوذ بک منک، لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منک الجدّ۔ (سنن نسائی، ج:۱، ص:۱۹۸/۱۹۷، کتاب السھو، نوع آخر من الدعاء عند الانصراف من الصلوٰۃ، ابن حبان نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، (ج:۵، ص:۳۷۳)

حضرت صہیب روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوجاتے تو یہ دعاء پڑھتے: اے اللہ! میرے دین کو درست فرما جو میرے حق میں بچاؤ ہے، اور دنیا کو درست فرما جس میں تو نے میری معاش مقرر کی ہے، اے اللہ میں تیری رضا کی تیرے غضب سے اور تیرے معافی کی تیری پکڑ سے اور تیری تجھ سے پناہ چاہتا ہوں، جو چیز تو دینے پر تیار ہوئے اسے کوئی روک نہیں سکتا، اور جو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ اور مالدار کو اس کا مال نفع نہیں دے سکتا۔

۱۴ **عن ثوبان قال کان رسول اللہ ﷺ اذا انصرف من الصلاۃ استغفر ثلاثاً وقال اللّٰھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام.** (صحیح مسلم، ج:۱ص:۲۱۸، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ)

حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد تین دفعہ استغفار کرتے اور کہتے: اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور تیری ہی طرف سے سلامتی ہے، تو بابرکت ہے اے بزرگی اور کرم والے!

اس حدیث میں صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد استغفار کرتے، اور استغفار بھی دعا ہے کہ اس میں اللہ سے مغفرت طلب کی جاتی ہے۔

۱۵ **عن ابن عباس عن النبی ﷺ: ان اللہ تعالی قال یا محمد اذا صلیت فقل: أللّٰھم انی اسالک فعل الخیرات وترک المنکرات وحب المساکین وأن تغفرلی وترحمنی واذا أردت بعبادک فتنۃ فاقبضنی إلیک غیر مفتون، اللّٰھم انی اسالک حبک وحب من یحبک وحب عمل یقربنی الی حبک۔** (یہ حدیث امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے، حضرت معاذ بن جبل کے واسطے سے بھی یہ حدیث مروی ہے، جس میں ''إذا

صلیت فقل ''نہیں ہے، اس کو انھوں نے ''حسن صحیح'' کہا ہے، عبدالرحمٰن بن عائش مذکورہ روایت کو بعض اصحاب نبی سے نقل کرتے ہیں، جس کی تخریج امام احمدؒ نے کی ہے، اور محدث ہیثمی نے کہا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد، ج:٧، ص:١٧٦/١٧٧، کتاب التعبیر، باب فیما راه النبی ﷺ)

حضرت ابن عباس سے یہ حدیث قدسی منقول ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے محمد ﷺ سے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھ چکو تو کہو: اے اللہ! میں تجھ سے اچھائیوں کو کرنے اور برائیوں کو چھوڑنے اور مسکینوں سے محبت کی توفیق کا طلبگار رہوں، میری مغفرت اور مجھ پر رحم فرما، اور جب تو اپنے بندوں کو کسی آزمائش میں ڈالنا چاہے تو مجھے اس آزمائش سے پہلے ہی اٹھالے، اے اللہ میں تیری محبت، تجھ سے محبت کرنے والوں کی محبت اور ایسے عمل کی محبت کا سائل ہوں جو تیری محبت سے قریب کردے۔

۱۶ **عن انس قال کان النبی ﷺ اذا انصرف من الصلاة، وفی لفظ الطبرانی اذا سلم من الصلاة یقول: اللهم اجعل خیر عمری آخره وخیر عملی خاتمه وخیر أیامی یوم القاک۔(عمل الیوم واللیلة لابن السنی**، ص:١٠٨، رقم:١٢١، اس میں متعدد راوی ضعیف ہیں، امام طبرانی نے معجم اوسط میں اسے نقل کیا ہے، اور اس میں بھی ابو مالک نخعی ضعیف راوی ہے (مجمع الزوائد، ج:١٠، ص:١١٠)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے پھرتے تھے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ نماز سے سلام پھیر دیتے تھے تو یہ دعا کرتے۔ اے اللہ! میری آخری عمر اور میرے آخری عمل کو سب سے بہتر بنا، اور میرے لئے سب سے بہتر وہ دن ہو جس میں تیرے دیدار سے شرف یابی ہو۔

۱۷ **عن ابی ایوب قال ما صلیت خلف نبیکم الا سمعته حین ینصرف: اللّٰهم اغفرلی۔**(یہ دعا مکمل طور پر حدیث ٦ میں گزر چکی ہے، امام طبرانی نے معجم

صغیراوراوسط میں اسے نقل کیا ہے، اورمحدث ہیثمی نے کہا کہ اس کی سند عمدہ ہے، اسنادہ جید (مجمع الزوائد، ج:۱۰، ص:۱۱۰)

حضرت ابوایوب کہتے ہیں کہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جب بھی نماز سے پھرتے وقت یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا۔

۱۸ عن مسلم بن حارث عن رسول اللّٰہ ﷺ انه اسر اليه فقال اذاانصرفت من صلاة المغرب فقل: اللّٰهم اجرنی من النار سبع مرات فانک اذا قلت ذالک ثم مت من ليلتک کتب لک جِوَارٌ منها واذا صليت الصبح فقل کذالک فانک ان مت من يومک کتب لک جوار منها۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الادب، **باب مايقول إذا أصبح**، سنن نسائی، صحیح ابن حبان (ابن علان، ج:۳، ص: ۶۸، الاذکار، ص:۱۱۴) قال الشیخ فی العزیزی، ج:۱، ص:۱۴۴ احدیث صحیح، اعلاء السنن، ج:۳، ص:۱۶۰)

حضرت مسلم بن حارث کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رازدارانہ انداز میں فرمایا کہ جب تم مغرب کی نماز سے فارغ ہوجاؤ تو سات مرتبہ "**أللهم اجرنی من النار**" (اے اللہ مجھے آگ سے پناہ دے) کہو۔ کیونکہ یہ پڑھنے کے بعد اسی رات میں تمہاری وفات ہوجائے تو جہنم کی آگ سے نجات پاؤ گے، اور جب صبح کی نماز پڑھ لو تو یہی دعا پڑھو کیونکہ، یہ پڑھنے کے بعد اسی دن تمہاری موت ہو جائے تو جہنم سے بری ہوگے۔

۱۹ عن ام سلمة قالت کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا صلی الصج قال: اللهم انی اسالک علمًا نافعاً وعملاً متقبلاً ورزقاًطيباً۔ (مسنداحمد، ابن ماجہ (الاذکار، ص:۱۱۴)

حضرت ام سلمہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھتے۔ اے اللہ میں تجھ سے علم نافع، مقبول عمل اور پاکیزہ رزق کا طلب گار ہوں۔

۲۰ عن المطلب بن ابی وداعة قال رسول اللہ ﷺ الصلاة مثنٰی مثنٰی وان تشهد فی کل رکعتین، وان تباء س وتمسکن وتقنع بیدیک وتقول اللهم اغفرلی فمن لم یفعل ذالک فهو خداج۔

حضرت مطلب بن ابی وداعہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نماز دودو رکعت ہے ہر دو رکعت میں تشہد پڑھے، اور خشوع وخضوع وانکساری کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہے: اے اللہ! میری مغفرت فرما، جو ایسا نہ کرے تو وہ ناقص ہے۔

امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے، (سنن ابوداؤد، ج:۱، ص:۱۸۳، **باب فی صلاة النهار**، سنن ابن ماجہ، ج:۱، ص:۴۹۱، **کتاب اقامة الصلاة، باب ماجاء صلوٰة اللیل مثنیٰ مثنیٰ**) امام ترمذی نے بھی اسے فضل بن عباس کے واسطے سے نقل کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں۔

”الصلاة مثنٰی مثنٰی تشهدٌ فی کل رکعتین وتخشعٌ وتضرعٌ و تمسکنٌ وتقنع یدیک یقول تر فعهما الی ربک مستقبلاً ببطونهما وجهک وتقول: یارب یارب ومن لم یفعل فهو کذٰ وکذا.“

نماز دودو رکعت ہے، ہر دو رکعت میں تشہد پڑھے، اور خشوع وتضرع اور اظہار فقر ومسکینی کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر اپنے دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ ہتھیلی چہرے کی طرف ہو، اور کہے اے رب، اے رب، اور جو کوئی یہ نہ کرے تو وہ ایسا ویسا ہے۔ (جامع ترمذی، ج:۱، ص:۸۷)

اس روایت کے تمام ناقلین ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔ صرف ایک راوی ”**عبداللہ بن نافع بن العمیاء**‘ پر کچھ کلام ہے، بعض حضرات نے انھیں مجہول قرار دیا ہے کہ ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں، لیکن اس کے بر خلاف امام ابن حبان نے انھیں ثقہ شمار کیا ہے، اور امام نسائی نے کبھی ان کے متعلق ”**لیس به باس**“ (ان میں کوئی کمی نہیں) اور کبھی ”**ثقہ**“ کا لفظ استعمال کیا ہے، (۱) نیز اس حدیث کو عبداللہ بن نافع سے نقل کرنے والے دو افراد ہیں، اور جس راوی سے حدیث لینے والے دو افرد ہوں تو محدثین کے نزدیک اس کی مجہولیت ختم ہوجاتی ہے، (۲) اس لئے یہ حدیث درجۂ حسن سے فروتر نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ امام ابوداؤد نے اس حدیث پر کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے، جو ان کے نزدیک صحیح رحسن ہونے کی دلیل ہے۔ اور علامہ بغوی نے مصابیح السنۃ کے ”فصل حسان“ میں اسے جگہ دی ہے، (۳) اور علامہ منذری نے اس کی ابتدا ”عن“ کے ذریعہ کی ہے، (۴) جو ان کے نزدیک مقبول ہونے کی علامت ہے، جیسا کہ انھوں نے کتاب کے مقدمہ میں صراحت کردی ہے، اور امام طحاوی کے طرز عمل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حدیث صحیح ہے۔ (مشکل الآثار، ج:۲،ص:۲۴/۲۶)

اس حدیث میں نفل نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور ظاہر ہے کہ ہاتھ اٹھانا نماز کے بعد ہی ہوگا، کیونکہ نماز میں تشہد کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا کوئی قائل نہیں ہے۔ اس لئے محدثین نے حدیث کی یہ تشریح کی ہے۔

ای ترفع یدیک بعد الصلاۃ للدعاء وھو معطوف علی محذوف ای اذا فرغت فسلّم وارفع یدیک بعدھا سائلاً حاجتک ۔

---

(۱) تہذیب التہذیب، ج:۶،ص:۵۰/۵۱، میزان الاعتدال، ج:۲،ص:۵۱۳، (۲) اعلاء السنن، ج:۳،ص:۱۶۶، (۳) مصابیح، ج:۱،ص:۳۵۱، رقم:۵۶۹، (۴) الترغیب والترہیب، ج:۱،ص:۳۴۸

نماز کے بعد دعاء کیلئے ہاتھ اٹھاؤ، یہ ایک حذف شدہ جمع پر عطف ہے، پوری عبارت یہ ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو سلام پھیرو اور اس کے بعد حاجتوں کیلئے دعا مانگو۔ (اعلاء السنن، ج:۳،ص:۱۶۵)

اور جس نفل نماز میں دعا نہ ہو اسے ناقص کہا گیا ہے۔ اور جب نفل نماز میں دعا کی یہ اہمیت ہے تو فرائض میں بدرجہ اولی ہوگی، کیونکہ حدیث میں مذکور خشوع وخضوع جس طرح سے نوافل میں مطلوب ہے اس سے زیادہ فرائض میں مطلوب ہے۔ اور جب خشوع وخضوع ہر نماز میں مطلوب ہے تو دعا بھی ہر نماز کے بعد مرغوب ہوگی۔

۲۱ حضرت عبداللہ بن مسعود، ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور ضحاک سے آیت قرآنی "**فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب** (جب آپ فارغ ہو جایا کریں تو (عبادت) مخصوص محنت کیا کیجئے اور (جو کچھ مانگنا ہو) اس میں اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھئے) کی تفسیر میں منقول ہے کہ **اذا فرغت من الصلاۃ فانصب الی ربک بالدعاء**۔ (الدر المنثور، ج:۶،ص:۳۶۴/۳۶۵)

مذکورہ احادیث کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے، کہ ذکر کردہ دعائیں اور اذکار فرض نماز کے بعد فوراً ہوا کرتی تھیں، کیونکہ روایت میں عام طور پر یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ **اذا سلم** (جب سلام پھیر دیتے) **اذا انصرف** (جب نماز سے پھرتے) **دبر الصلاۃ** (نماز کے بعد) وغیرہ۔ نیز بعض صحابہ صراحت کرتے ہیں کہ فرض وسنت جس نماز میں بھی مجھے آنحضرت ﷺ سے قریب رہنے کا اتفاق ہوا، یا جب بھی میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی تو میں نے یہ دعاء سنی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعائیں فرض کے بعد فوراً ہوا کرتی تھیں۔

رہی حضرت عائشہ کی یہ روایت کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سلام کی بعد صرف **اللّٰھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذاالجلال والاکرام**، کہنے کے

بقدر بیٹھا کرتے تھے۔ **کان النبی ﷺ اذا سلم لم یقعد الا مقدار مایقول اللھم انت السلام الخ**۔ اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ اس حدیث کا مدار تین راویوں پر ہے، اور ان میں سے ہر ایک پر کلام کیا گیا ہے، پہلے راوی سلیمان بن حیان کے متعلق مشہور ناقد ابن معین نے کہا کہ وہ سچے تو ہیں لیکن حجت نہیں۔ **صدوق لکنہ لیس بحجہ** ۔ ابوھاشم الرفاعی نے کہا کہ اصلاً سچے ہیں۔ لیکن سوء حفظ کی وجہ سے غلطی اور خطا کر جاتے ہیں. **فی الاصل صدوق لکنہ انما اتی من سوء حفظہ فیغلط ویخطئی** ، ابوبکر البزار نے کہا کہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ ان کے اندر قوت یادداشت کی کمی تھی۔ اور انھوں نے اعمش وغیرہ سے ایسی حدیثیں نقل کی ہیں جن کا کوئی متابع نہیں ہے، **اتفق اھل العلم بالنقل علی ان اباخالد لم یکن حافظا وانہ قدروی عن الاعمش وغیرہ احادیث لم یتابع علیھا**۔ (تہذیب التہذیب، ج:۴، ص:۱۸۱/۱۸۲)

دوسرے راوی محمد بن حازم، ابومعاویہ الضریر کے متعلق امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ وہ اعمش کے سوا دیگر لوگوں سے جو حدیث نقل کرتے ہیں۔ اس میں اضطراب ہے، (۱) اسے اچھی طرح سے یاد نہیں رکھتے۔ **فی غیر حدیثہ عن الاعمش مضطرب لا یحفظھا جیدًا** ، ابن معین کا بیان ہے کہ وہ عبداللہ بن عمر کے حوالے سے منکر حدیث نقل کرتا ہے **یروی عن عبداللہ بن عمر مناکیر**، امام ابوداؤد نے کہا کہ وہ عقیدہ کی اعتبار سے مرجئی تھا، (۲) ابوزرعہ نے کہا کہ وہ ارجاء پر یقین رکھتا

---

(۱) حدیث کی سند یا متن میں ایسا اختلاف کہ ان میں باہم موافقت کی صورت نہ ہو "اضطراب" کہلاتا ہے، اور ایسی حدیث کو "حدیث مضطرب" کہتے ہیں۔

(۲) مرجئہ ایک گمراہ فرقہ ہے، جن کا عقیدہ ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کرنے سے کوئی نقصان نہیں، اس کے علاوہ بھی متعدد باطل چیزوں پر اعتقاد رکھتے ہیں، اس طرح کے عقیدہ کو "ارجاء" کہا جاتا ہے (دیکھئے: "الملل والنحل" للشہرستانی، ج:۱، ص:۱۳۹)

تھا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت بھی دیتا تھا۔ ابن خراش کہتے ہیں کہ وہ اعمش سے روایت کرنے میں لائق اعتماد ہے لیکن دیگر لوگوں سے روایت میں اضطراب ہے۔ اور محمد بن حازم نے یہ حدیث اعمش کے بجائے عاصم احول سے روایت کی ہے، لہذا حدیث مضطرب ہوگی۔

تیسرے راوی عاصم بن سلیمان احول بصری کے متعلق علی بن مدینی، یحییٰ بن سعید قطان سے نقل کرتے ہیں کہ عاصم احول حافظ حدیث نہیں تھا، **لم یکن حافظاً** اور ابن ادریس نے کہا میں اس سے حدیث سننا پسند نہیں کرتا ہوں۔ **لا اروی شیئا** اور ان کے کردار کو ناپسند کرتے ہوئے وہیب نے ان سے روایت کرنا ترک کر دیا۔ (تہذیب التہذیب، ج:۹، ص:۱۳۷۔۱۳۹)

اور حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو بے تکلف یہ توجیہ کی جا سکتی ہے، کہ سلام کے بعد قبلہ رخ اتنی مقدار بیٹھا کرتے تھے، اور پھر مقتدیوں کی طرف رخ کر لیتے، خود دوسری حدیث سے اس توجیہ کی تائید ہوتی ہے۔ جیسا کہ سمرۃ بن جندب بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ہماری طرف رخ کر لیتے۔ **کان النبی ﷺ اذا صلی صلاة اقبل علینا بوجهه.** (تہذیب التہذیب، ج:۹، ص:۴۳)

اور علامہ ابن قیم رقم طراز ہیں:

”کان ﷺ. اذافرغ من صلاته استغفر ثلا ثا وقال: اللّٰهم انت اسلام ومنک السلام تبارکت یا ذاالجلال والا کرام، ولم یمکث مستقبل القبلة الا ما یقول ذالک بل یسرع الا نفتال الی الما مومین وکان ینفتل عن یمینه وعن یساره۔“ (صحیح بخاری، ج:۱، ص:۱۱۷، کتاب الاذان، **باب یستقبل الامام الناس إذا سلم**)

جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہو جاتے تو تین مرتبہ اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور کہتے اے اللہ تو سلام ہے اور تجھ ہی سے سلامتی ہے۔ اے عظمت وکرم والے تو بڑا بابرکت ہے، اور قبلہ رخ یہی پڑھنے کے بقدر ٹھہرتے اور اس کے بعد جلدی سے مقتدیوں کی طرف رخ کر لیتے، اور کبھی دائیں جانب چہرہ کرتے اور کبھی بائیں جانب، (اکثر دائیں جانب مڑتے تھے، جیسا کہ دیگر احادیث میں ہے)

اور مقتدیوں کی طرف رخ کر کے مذکورہ دعاؤں میں سے پڑھا کرتے تھے، چنانچہ امام مسلم نے براء بن عازبؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

كنا اذا صلينا خلف رسول الله ﷺ أحببنا ان نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه قال فسمعته يقول رب قني عذابک يوم تبعث عبادک .

جب ہم رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھتے تو ہماری خواہش ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب رہیں تا کہ ہماری طرف آپ کا رخ ہو، حضرت براء کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو یہ دعا پڑھتے سنا: اے اللہ قیامت کے عذاب سے ہمیں بچا۔

حدیث کی اس توجیہ کے بعد سلام کے بعد دعاء سے متعلق احادیث اور حضرت عائشہ کی مذکورہ حدیث میں کوئی تعارض نہیں رہ جاتا اور دونوں حدیثوں پر عمل ہوتا ہے، جبکہ نماز کے بعد دعاء کے انکار کی وجہ سے بہت سی صحیح حدیثوں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔

ان صحیح اور واضح احادیث سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نماز کے بعد دعا کے لئے کس قدر اہتمام کیا کرتے تھے اور کس طرح سے آنحضرت ﷺ نے پیارے انداز میں صحابہ کرام اور ان کے واسطے سے پوری امت کو نماز کے بعد دعا کی ترغیب دی ہے، اور اس میں ایک عظیم حکمت ہے کہ نبی ﷺ جانتے تھے کہ آپ کی امت میں عرب وعجم سب شامل ہوں گے، آپ کے پیروکاروں سے دنیا کا کوئی گوشہ

اور کوئی خطہ خالی نہ ہوگا۔ کائنات کے چپہ چپہ پر توحید کے علمبردار موجود ہوں گے اور ان سب کی زبانیں ایک نہیں بلکہ انیک ہوں گی، وہ عربی زبان میں اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو بیان نہیں کرسکتے، حالانکہ نماز میں عربی زبان کی رعایت کرنی ہوگی، اور سب کو عربی زبان سیکھنے کا پابند بنانا انہیں دشواری اور تنگی میں مبتلا کرنا ہوگا، یہ آسان دین ان کے لئے دشواری کا باعث ہوگا، اس لئے نبی رحمت ﷺ نے نماز کے بعد بھی دعا کی ترغیب دی کہ اس وقت بھی اللہ کی خصوصی رحمت اپنے بندوں کی طرف متوجہ رہتی ہے اور کسی فرق کے بغیر عرب وعجم سب اس وقت دست سوال دراز کرکے گوہر مراد حاصل کرسکتے ہیں۔

دعا میں ہاتھ اٹھانا:

اللہ سے دعا کا طریقہ یہ ہے کہ انسان خشیت وندامت کا پیکر بن جائے، جسم کا ہر حصہ بیچارگی، عاجزی اور بے قراری کی تصویر بن جائے۔ دل کی کسک اور تڑپ کے ساتھ آنکھوں سے اشک ندامت رواں ہوں، ایک بے نور اور بھکاری کی طرح ہاتھ پھیلائے ہوئے ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً۔ (اعراف:۵۵)

"اپنے رب کو تضرع کے ساتھ اور چپکے چپکے پکارو"

دل وزبان کے ساتھ جب ظاہری صورت بھی ایک سوالی اور فقیر کی بن جائے، تو رب کریم اسے خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے اور اس کے دامن کو گوہر مراد سے بھر دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ:

"عن سلمان قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حی کریم یستحي اذا رفع الرجل الیه یدیه ان یرد هما صفر اًخائبین." (جامع ترمذی: کتاب الدعوات،

قبیل ابواب شتیٰ من ابواب الدعوات وحسنه ، سنن ابوداؤد، ج:۱،ص:۱۰۹، باب الدعاء، سنن ابن ماجہ، ج:۲،ص:۱۲۷، کتاب الدعاء، باب رفع الیدین فی الدعاء، صحیح ابن حبان، ص:۵۹۶)

حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا پروردگار ہمیشہ سے باحیا اور انتہائی سخی ہے، اس لئے جب کوئی اس کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو نامراد اور خالی واپس کرتے ہوئے اسے حیا آتی ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے ’’حسن‘‘ قرار دیا ہے، اور امام حاکم نے کہا کہ اس حدیث کے راوی امام بخاری ومسلم کی شرط پر پورے اترتے ہیں، علامہ ذہبی نے بھی اس کی تائید کی ہے، (۱) حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ اس کی سند عمدہ ہے، (۲) امام طبرانی نے حضرت سلمان ہی کے واسطے سے اس حدیث کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

مارفع قوم اکفهم الی الله تعالی یسا لو نه شیٔا إلا کان حقا علی الله أن یضع فی أید یهم الذی سالوا.

جو قوم بھی کچھ مانگنے کے لئے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلاتی ہے تو اللہ ضرور انھیں نوازتا ہے، اور خالی ہاتھ واپس نہیں کرتا ہے۔

محدث ہیثمی اس روایت کے متعلق کہتے ہیں کہ **رجاله رجال الصحیح** (۳) امام حاکم نے الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ حضرت انس بن مالک سے بھی اس کو نقل کیا ہے، اور کہا ہے کہ اس سند صحیح ہے، لیکن علامہ ذہبی نے ایک راوی عامر کی وجہ سے امام حاکم کے فیصلے سے اتفاق نہیں کیا ہے۔ (۴) تاہم امام حاکم کی رائے کو بالکل نظر انداز کر دینا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ عامر پر بعض لوگوں نے کلام کیا ہے تو دوسری

---

(۱) مستدرک حاکم، ج:۱،ص:۵۳۵ (۲) فتح الباری، ج:۱۱،ص:۱۴۳، سنده جید (۳) مستدرک حاکم، ج:۱،ص:۴۹۸/۴۹۷ (۴) تہذیب التہذیب، ج:۵،ص:۷۶، میزان الاعتدال، ج:۲،ص:۳۶۱

طرف بہت سے ناقدین نے ان کی توثیق بھی کی ہے۔ چنانچہ مشہور ناقد حدیث یحیٰ بن معین کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور قابل اعتماد ہے۔ اور ابوداؤد کا بیان ہے کہ **لیس به باس رجل صالح** (ان سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں، نیک آدمی ہیں)۔ (۱) اور ابن حبان نے ثقہ شمار کیا ہے، اس لئے حدیث درجہ حسن سے فروتر نہیں ہے نیز حضرت انس ہی کے واسطے سے دوسری سند سے بھی یہ روایت منقول ہے، (۲) گرچہ اس کے ایک راوی ''ابان'' بھی ضعیف ہیں۔ لیکن متعدد سندوں سے منقول ہونے کی وجہ سے حدیث میں قوت آجاتی ہے۔

اسی طرح کی روایت امام دارقطنی نے حضرت علی بن ابی طالب سے، (۳) اور محدث طبرانی نے حضرت ابن عمر سے، اور محدث ابویعلیٰ اور طبرانی نے حضرت جابر سے نقل کیا ہے، جس کے متعلق علامہ ہیثمی کا بیان ہے کہ اس کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں، صرف ایک راوی یوسف بن عمد کو ضعیف قرار دیا گیا ہے، لیکن ضعف کے باوجود وہ قابل اعتماد ہیں، **وقد وثق على ضعفه وبقية رجالهما رجال الصحيح.** (۴) اور امام سیوطی کہتے ہیں کہ اس کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں سوائے یوسف کے، لیکن وہ بھی ثقہ ہیں، **رجاله رجال الصحيح الا يوسف وهو ثقة**۔ (فض الوعاء، ص:۶۹)

۲۳ عن خلاد بن سائب الانصاری ان رسول الله ﷺ کان اذا دعا جعل باطن کفیه الی وجهه.

حضرت خلاد بن سائب انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا کرتے تو

---

(۱) مصنف عبدالرزاق، ج:۲، ص:۲۵۱ (۲) کنزالعمال، ج:۲، ص:۸۷ (۳) مجمع الزوائد، ج:۱۰، ص: ۱۶۹، **قال الهيثمي فيه الجارود بن يزيد وهو متروک**، (۴) مجمع الزوائد، ج:۱۰، ص:۱۴۹

ہتھیلی کو اپنے چہرے کی طرف رکھتے تھے۔

امام احمد بن حنبل نے اس کی روایت کی ہے، اور علامہ ہیثمی (۱) وامام سیوطی (۲) کے بیان کے مطابق اس کی سند حسن ہے، امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ (۳) لیکن حافظ عراقی نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے، (۴) اس طرح کی متعدد حدیثوں سے اس میں قوت آجاتی ہے، چنانچہ امام ابو داؤد نے سائب کے والد یزید کے حوالے سے اس حدیث کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

۲۴ **عن سائب بن یز ید عن ابیه ان النبی ﷺ کان اذادعا فرفع یدیه ،مسح وجهه بیدیه.** (حدیث کی سند یہ ہے: **حدثنا قتیبة بن سعید ،حدثناابن لهیعه عن حفص بن هاشم بن عتبة بن ابی وقاص عن السائب**، ابوداؤد، ج:۱، ص:۲۰۹۔

حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے پس دونوں ہاتھ اٹھاتے تو دونوں ہاتھ کو اپنے چہرے پر مل لیتے تھے۔

ان دونوں حدیثوں (۲۳۔۲۴) میں ایک راوی ''ابن لہیعہ'' پر کلام کیا گیا ہے، مخالف اور موافق دونوں طرح کے اقوال مروی ہیں۔ اس سلسلہ میں امام ابن عدی کی رائے بہت معتدل اور متوازن ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

احادیثه حسان مع ما قد ضعفوه وهو حسن الحدیث یکتب حدیثه وقد حدث عنه مالک وشعبة واللیث۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۸، ص:۲۲، الکامل لابن عدی، ج:۴، ص:۱۴۷)

---

(۱) حدیث کی سند یہ ہے: **حدثنا یحییٰ بن اسعاف قال أخبرناابن لهیعه عن حبان بن واسع عن خلاد بن السائب**، مجمع الزوائد، ج:۱۰، ص:۱۶۹، (۲) فض الوعاء، ص:۹۳، (۳) **المعجم الکبیر**، ج:۱۱، ص:۳۴۴، رقم:۱۲۲۳۴، (۴) تخریج احیاء علوم الدین، ج:۱، ص:۳۹۸)

محدثین نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود ان کی حدیثیں حسن ہیں۔ ان کی حدیثیں لکھی جائیں گی۔ امام مالک، شعبہ اور لیث نے ان سے حدیث نقل کی ہے۔

اور عبدالغنی بن سعید ازدی کہتے ہیں کہ اگر ابن لہیعہ سے عبداللہ بن مبارک، ابن وہب اور المقری روایت کریں تو وہ حدیث صحیح ہوگی، علامہ ساجی وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے، (تہذیب التہذیب، ج:۵، ص:۳۷۸) اور علامہ ذہبی نے امام ابوداؤد سے نقل کیا ہے کہ میں نے قتیبہ کو کہتے ہوئے سنا کہ:

کنا لا نکتب حدیث ابن لهیعة الا من کتب اخیه او کتب ابن وهب الا ما کان من حدیث الا عرج ۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۸، ص:۱۶)

ہم ابن لہیعہ کی حدیثوں کو ان کے بھائی یا ابن وہب کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں، مگر یہ کہ وہ ''اعرج'' کی حدیث ہو۔

اور امام احمد نے قتیبہ سے کہا کہ ''ابن لہیعہ'' سے تم جو احادیث نقل کرتے ہو وہ صحیح ہیں، ''**احادیثک عن ابن لهیعة صحاح**''. انھوں نے جواب دیا، کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان احایث کو ہم ابن وہب کی کتاب سے نقل کرتے ہیں اور پھر ابن لہیعہ سے جا کر سنتے ہیں۔ **کنا نکتب من کتب ابن وهب ثم نسمعه من ابن لهیعة ۔** (سیر اعلام النبلاء، ج:۸، ص:۱۷) اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن لہیعہ ایک سچے اور صحیح راوی ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ المیہ یہ ہوا کہ حدیث میں جو کتاب انھوں نے مرتب کی تھیں وہ جل گئی۔ اور پھر یادداشت میں کمی واقع ہوگئی، جس کی وجہ سے زبانی روایت میں خلط ملط ہوجاتا۔ **(صدوق من السابعة خلط بعد احتراق کتبه ۔ التقریب، ج:۱، ص:۲۴۴)** لیکن بعض شاگردوں کے پاس اس کتاب کی نقل موجود تھی، اس لئے جو لوگ ان

کتابوں سے روایت نقل کرنے کے بعد پھر براہ راست ان سے جا کر سنتے تو وہ صحیح شکل میں حدیث کو محفوظ کرتے، اسی لئے حافظ احمد بن صالح کا خیال ہے کہ ابن لہیعہ کی کتاب صحیح ہے اور جن راویوں نے صحیح نسخوں سے حدیث نقل کی ہے ان کی روایت بھی صحیح ہے۔ **ان ابن لهيه صحيح الكتاب ومن كتب من الرواة حديثه من نسخة صحيحة فحد يثه صحيح۔** (سیر اعلام النبلاء، ج:۸،ص:۱۸)

دوسری روایت کو ابن لہیعہ سے نقل کرنے والے قتیبہ بن سعید ہیں۔ اس لئے اس کی صحت سے انکار مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوداؤد نے اس حدیث پر کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے، اور اہل علم جانتے ہیں کہ امام ابوداؤد کا کسی حدیث پر کسی کلام سے گریز اس کی صحت یا کم از کم حسن ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ انھوں نے خود ہی صراحت کردی ہے کہ میں نے یہ کتاب پانچ لاکھ حدیثوں میں سے منتخب کر کے مرتب کی ہے، اس کی تمام روایتیں صحیح یا صحیح سے قریب ہیں، اور علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ سنن ابوداؤد میں آدھی احادیث وہ ہیں جو صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہیں، اور بعض احادیث وہ ہیں جسے امام بخاری و مسلم نے نقل تو نہیں کیا ہے مگر ان کے معیار کے مطابق ہیں، اور کچھ حدیثیں ایسی ہیں جن کے کسی راوی میں یادداشت کی کمی پائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ درجہ حسن میں آجاتی ہے، ان تین جگہوں پر امام ابوداؤد عام طور پر تبصرہ سے خاموشی اختیار کرتے ہیں۔

بعض حضرات نے دوسری روایت میں ابن لہیعہ کے استاذ حفص بن ہاشم پر کلام کیا ہے کہ وہ مجہول ہیں، ان کا کچھ اتا پتا نہیں ہے۔ لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کے مطابق اس روایت میں ان کے استاذ حفص بن ہاشم نہیں بلکہ حبان بن واسع ہیں۔ (تہذیب التہذیب، ج:۲،ص:۴۲۰/۴۲۱) جیسا کہ پہلی روایت میں ہے۔ اور حبان

بن واسع کو محدث ابن حبان نے ثقہ اور قابل اعتماد قرار دیا ہے۔ (التھذیب، ج:٢،ص: ١٧١) اس لئے اس روایت کی اسنادی حیثیت بے غبار ہے، اور مذکورہ روایت درجہ حسن سے فروتر نہیں ہے، نیز اس طرح کی متعدد روایتیں موجود ہیں، جن سے ایک طرح کی قوت حاصل ہو جاتی ہے اور اس سے کسی مستحب معاملہ کو ثابت کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ محدثین نے اس کی صراحت کر دی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی امت کو دعاء کا طریقہ اور ادب یہ بتلایا ہے کہ:

٢٥ عن مالک بن یسار ان رسول اللہ ﷺ قال اذا سالتم اللہ فسلوہ ببطون اکفکم ولا تسا لو ہ بظھور ھا۔ (امام ابوداؤد نے اس کی روایت کی ہے، اور سند یہ ہے: **حدثنا سلیمان بن عبد الحمید البھرانی قال قرأتہ فی اصل اسمٰعیل یعنی ابن عیاش حدثنی ضمضم عن شریح حدثنا ابو ظبیۃ أن أبابحریۃ السکونی حدثہ عن مالک۔** سنن ابوداؤد، ج:١،ص:٢٠٩)

مالک بن یسار سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اللہ سے مانگو، تو ہاتھ کے اندرونی حصہ کی طرف سے مانگو اور ظاہری حصہ کی طرف سے نہ مانگو۔

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید اور عمدہ ہے، اسی لئے انھوں نے اس پر کوئی کلام نہیں کیا ہے، اس طرح کی ایک حدیث امام طبرانی نے حضرت ابو بکرہ سے نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

٢٦ سلو اللہ ببطون اکفکم ولا تسالو ہ بظھور ھا۔

اللہ کے سامنے ہتھیلی پھیلا کر مانگو، ہاتھ کی پشت کی طرف سے مت مانگو۔

علامہ ہیثمی کا بیان ہے کہ اس حدیث کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں سوائے عمار بن خالد واسطی کے، لیکن وہ بھی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں، رجالہ رجال

الصحیح غیر عماربن خالد الو اسطی وھو ثقة۔ (مجمع الزوائد، ج:۱۰، ص:۱۶۹)

اس جیسی ایک روایت امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

۲۷ **عن عبداللہ عباس ان رسول اللہ ﷺ قال لاتستر واالجدر من نظر فی کتاب اخیه بغیر اذنه فانما ینظرفی النار. سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسالوہ بظھورھا فاذا فر غتم فامسحو بھا وجو ھکم۔**

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیواروں پر پردہ نہ ڈالو، اور جو کوئی اپنے بھائی کے خط کو بے اجازت دیکھتا ہے، تو یقیناً وہ آگ میں دیکھتا۔ اللہ سے اپنی ہتھیلی کے ذریعہ مانگو، ہاتھ کی پشت کی طرف سے نہیں اور جب دعا سے فارغ ہوجاؤ تو ہاتھ چہرے پر پھیرلو۔

امام ابوداؤد نے اس حدیث کونقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث متعدد سندوں سے محمد بن کعب سے منقول ہے، جوسب کی سب کمزور ہیں، یہ سندان میں سب سے بہتر ہے لیکن اس میں بھی ضعف ہے، **روی الحدیث من غیر وجه عن محمد بن کعب کلھا واھیة وھذاالطریق امثلھاوھو ضعیف ایضاً۔**

اس سند کے ضعیف ہونے کی وجہ راوی کی جہالت ہے، درمیان کے ایک راوی کا نام مذکور نہیں ہے، سلسلہ اسناد ملاحظہ ہو: **حدثنا عبداللّٰه بن مسلمة حدثنا عبدالملک بن محمد بن ایمن عن عبدالله بن یعقوب بن اسحاق عمن حدثه عن محمد بن کعب القرظی حدثنی عبداللہ بن عباس۔** (سنن ابوداؤد، ج:۱، ص:۲۰۹)

لیکن امام ابن ماجہ(۱) اور حاکم (۲) نے اس مجہول راوی کے نام کی صراحت کردی ہے، اس لئے جہالت راوی کی بات ختم ہوجاتی ہے، البتہ اس راوی پر کلام کیا گیا ہے، اس لئے اسنادی حیثیت سے روایت کمزور ضرور ہے، لیکن اس طرح کی متعدد روایتوں کی وجہ سے اس میں قوت آ جاتی ہے، اسی لئے امام سیوطی اور شیخ الاسلام ابوالفضل ابن حجر نے اپنے امالی میں روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ (فض الوعاء، ص:۷۴)

محدث عبدالرزاق اور امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

المسالة أن ترفع يديك حذو منكبيک أو نحوها والاستغفار ان تشير باصبع واحدة، والابتهال ان تمد يديك جميعاً۔

اللہ سے مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم دونوں ہاتھ کو مونڈھے تک اٹھاؤ، اور طلب

---

(۱) سنن ابن ماجہ کی سند اور الفاظِ حدیث یہ ہیں: **حدثنا محمد بن صباح حدثنا عائذ بن حبيب عن صالح بن حسان عن محمد بن كعب القرظي عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ إذا دعوت الله فادع ببطون كفيک ولا تدع بظهورهما فإذا فرغت فامسح بهما وجهک** ۔ (ابن ماجہ، ج:۲، ص:۱۲۷۲، کتاب الدعاء، باب رفع الیدین فی الدعاء) خط کشیدہ راوی کا نام ابوداؤد میں مذکور نہیں ہے۔

(۲) مستدرک حاکم کی سند اور متن یہ ہے: **حدثنا ابوبكر بن ابی نصر المروزی حدثنا ابو الموجه حدثنا سعيد بن هبيرة حدثنا وهيب بن خالد عن صالح بن حسان عن محمد بن كعب القرظی عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ إذاسالتم الله فسلوه ببطون اكفكم ولا تسالوه بظهورها وامسحو بها وجو هكم** ۔ (المستدرک، ج:۱، ص:۵۳۶، اس کے ایک راوی سعید بن ہبیرہ پر سخت جرح کی گئی ہے، دیکھئے: فیض القدیر، ج:۱، ص:۳۶۹، میزان الاعتدال، ج:۲، ص:۱۶۲، لسان المیزان، ج:۳، ص:۴۸/۴۹۔

مغفرت کا طریقہ یہ ہے کہ تم ایک انگلی سے اشارہ کرو، اور ابتہال یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلاؤ۔

امام ابوداؤد نے ایک دوسری سند سے اس روایت کو اللہ ﷺ کے ارشاد کی حیثیت سے ذکر کیا ہے، (١) اور علامہ منذری نے ''مختصر السنن'' نامی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ (ج:٢، ص:١٤٤)

یہ تمام روایتیں بالکل عام ہیں اور ہر موقع پر دعا میں ہاتھ اٹھانے کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں، اور یہ کہ اس طرح دعا کرنے سے قبولیت کی زیادہ امید ہے، لہٰذا انہیں کسی خاص حالت کے ساتھ مخصوص کرنا درست نہیں ہے، اور ان میں سے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا مستحب اور بہتر ہے، اسی سے متعلق یہ روایت بھی ملاحظہ ہو:

٢٩ ''عن عمر بن الخطاب قال كان رسول الله ﷺ اذا رفع يديه فى الدعا لم يحطهما حتىٰ يسمح بهما وجهه''

حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے تو اسے چہرے پر پھیرے بغیر نیچے نہیں کرتے تھے۔

امام ترمذی نے اس کی روایت کی ہے، اور ہندوستانی نسخہ میں ''حدیث پر غریب'' ہونے کا حکم ہے، لیکن ابراہیم عطوۃ کی تحقیق کے ساتھ مصر سے شائع شدہ ترمذی میں ''صحیح غریب'' ہے، (٢) نیز علامہ ابن عربی کی شرح ''عارضۃ الاحوذی'' کے ساتھ مطبوعہ ترمذی میں بھی صحیح غریب کے الفاظ ہیں۔ (٣) ایسے ہی علامہ

---

(١) سنن ابوداؤد، ج:١، ص: ٢٠٩، کتاب الصلوٰۃ، باب الدعاء، مصنف عبد الرزاق، ج:٢، ص: ٢٥٠

(٢) سنن ترمذی، ج:٥، ص:٤٦٤، (٣) عارضۃ الاحوذی، ج:١٢، ص:٢٧٦

قرطبی(۱) اور صاحب ''**المعیار المغرب** ''(۲) نے بھی امام ترمذی کے حوالے سے ''صحیح غریب''، نقل کیا ہے، اسی طرح سے شیخ عبدالحق کے پاس موجود سنن ترمذی میں بھی ''صحیح'' کا اضافہ ہے۔ (الاذکار، ص:۵۵۸، کتاب جامع الدعوات)

اگر یہی تسلیم کرلیا جائے کہ امام ترمذی نے صرف ''غریب'' کہا ہے، صحیح کا حکم نہیں لگایا ہے تو بھی حدیث کو ضعیف نہیں کہا جاسکتا ہے، کیونکہ انہوں نے یہ کہنے کے بعد کہ اس حدیث کو ہم صرف حماد بن عیسیٰ کی سند سے جانتے ہیں، وہ تنہا اسے روایت کرتے ہیں، ان کے ساتھ کوئی اور راوی نہیں ہے، ان پر کوئی کلام نہیں کیا ہے، بلکہ یہ کہہ کر ان کی تائید کی ہے کہ **وقد حدث عنه الناس** بہت سے لوگوں نے ان سے روایت لی ہے، (۳) نیز مشہور ناقد حدیث یحییٰ بن معین نے ''شیخ صالح'' کہہ کر ان کی توثیق کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام حاکم اور علامہ ذہبی نے اس حدیث کے نقل کے بعد کوئی کلام نہیں کیا ہے۔ (المستدرک میں الفاظ حدیث یہ ہیں: **كان إذا مد يديه في الدعاء لم يردهما حتىٰ يمسح بهما وجهه** (ج:۱، ص:۵۳۶)

اور جن لوگوں نے حماد بن عیسیٰ پر کلام کیا ہے تو وہ عدالت وصداقت کی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ یادداشت کی کمزوری کے اعتبار سے ہے، لیکن اس طرح کی دیگر روایتوں کی وجہ سے اس کمی کی تلافی ہوجاتی ہے، اسی بنیاد پر علامہ ابن حجر عسقلانی نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے، (۴) اور غیر مقلد عالم دین امیر صنعانی نے ان کی تائید کی ہے اور اسی روایت سے دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے استحباب کو ثابت کیا ہے۔ (سبل السلام، ج:۴، ص:۴۳۰)

---

(۱) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ج:۷، ص:۲۲۵، (۲) حاشیۃ الرہونی علی شرح الزرقانی لمختصر خلیل، ج:۱، ص:۴۱۲، (۳) **لانعرفه إلا من حديث حماد بن عيسىٰ وقد تفرد به ، وقد حدث عنه الناس**، سنن ترمذی، ج:۲، ص:۱۷۴، کتاب الدعوات، (۴) بلوغ المرام، ص:۴۹۸/۴۹۹

۳۰ **عن ابن شهاب الزهری قال كان رسول الله ﷺ يرفع يديه عند صدره فی الدعاء ثم يمسح بهما وجهه۔** (مصنف عبدالرزاق، ج:۲، ص:۲۴۷)

ان شہاب زہری کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعاء میں سینے تک ہاتھ اٹھاتے تھے اور پھر دونوں ہاتھ کو چہرے پر مل لیتے تھے۔

اس روایت کی سند صحیح ہے لیکن حدیث مرسل ہے، یعنی تابعی نے صحابی کے واسطے کے بغیر براہ راست اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے، اور مرسل روایت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک واحمد کے مشہور قول کے مطابق قابل استدلال ہے، بلکہ علامہ ابن جریر طبری تو اس پر اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اجمع التابعون اسرهم على قبول المرسل ولم يات عنهم انكاره ولا عن احد من الائمة بعدهم الى رأس المائتين. (جامع التحصيل فی احكام المراسيل للحافظ العلائی، ص:۲۷)

مرسل کے قبول کرنے پر تمام تابعین کا اتفاق ہے ان میں سے کسی سے انکار منقول نہیں، اور تابعین کے بعد کسی امام سے بھی دوسری صدی ہجری تک انکار ثابت نہیں۔

اور روایت نمبر ۲۹ رکو حضرت عمر سے نقل کرنے والے حضرت عبداللہ بن عمر ہیں۔ ان کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا، جیسا کہ امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

۳۱ **عن ابی نعيم قال رأيت ابن عمر وابن الزبير يدعوان يديران بالراحتين على الوجه** (الادب المفرد، ج:۲، ص:٦٨، رقم:٦٠٩، اس روایت کے راوی صحیح ہیں، امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان راویوں کے واسطے سے حدیث نقل کی ہے، دیکھئے: مقدمہ فتح الباری، ص:۴۳۵ و۴۴۲)

ابونعیم کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو دعا کے

بعد چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دیکھا، اور ابن سعد نے طبقات کبریٰ میں نقل کیا ہے کہ محمد بن قاسم کہتے ہیں:

”رأيت ابن عمر عندالقاص رافعاً يديه يدعو حتىٰ تحاذيا منكبيه.“ (اس کے راوی قابل اعتماد ہیں، صرف ایک راوی خالد بن مخلد پر معمولی کلام ہے، الطبقات الکبریٰ، ج:۴، ص:۱٦۲)

میں نے ابن عمر کو واعظ (۱) کے پاس دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھا کر دعاء کرتے ہوئے دیکھا۔

امام عبدالرزاق نے بھی اس واقعہ کو مصنف میں نقل کیا ہے، (۲) لیکن اس میں ”القاص“ کی جگہ ”العاص“ ہے، جو غلط ہے، اور انہوں نے اس سے متعلق روایات کو نقل کرنے کے بعد یحیٰی بن سعید انصاری کا...... جنہوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالک اور سائب بن یزید اور فقہاء سبعہ و کبار تابعین سے حدیث سنی ہے...... قول ذکر کیا ہے کہ مجھ سے تابعین نے بیان کیا کہ صحابہ کرام برکت کیلئے دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیر لیا کرتے تھے۔ **ذكروا أن من مضى كانو يدعون ثم يردون أيديهم على وجوههم ليردوا الدعا والبركة** ۔ اس کے بعد امام عبدالرزاق نے لکھا ہے کہ میں نے حضرت معمر کو دعا کے وقت سینے تک ہاتھ اٹھاتے ہوئے اور اس کے بعد چہرے پر پھیرتے ہوئے دیکھا ہے، اور میں بھی ایسا ہی کرتا

---

(۱) یہ واعظ جلیل القدر تابعی عبید بن عمیر مکی ہیں، علامہ ذہبی ان کے متعلق رقم طراز ہیں: یہ مکہ میں تابعین کے امام اور قابل اعتماد لوگوں میں تھے، وعظ وتذکیر کیا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر بھی اس میں شریک رہتے، حماد بن سلمہ نے حضرت ثابت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کے عہد میں سب سے پہلے انھوں نے ہی وعظ کہنا شروع کیا، دیکھئے: سیر اعلام النبلاء، ج:۴، ص:۱۵۷،

(۲) مصنف عبدالرزاق، ج:۲، ص:۲۵۲/۲۵۳

ہوں۔ (حوالہ مذکور)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا اور اس کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا سلف کا معمول رہا ہے، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ سے ایسا کرنا ثابت ہے، اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرام کا اسی کے مطابق عمل تھا، اور ایک تسلسل کے ساتھ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا رہا، اور وہ لوگ بھی اس پر عمل پیرا تھے، جو جماعت اہل حدیث کے سربراہ اور سرخیل سمجھے جاتے تھے، چنانچہ نواب صدیق حسن قنوجی لکھتے ہیں:

> ''حاصل یہ ہے کہ ہر دعا میں خواہ کسی وقت کی جارہی ہو، پنج وقتہ نماز کے بعد ہو یا اس کے علاوہ کسی اور موقع پر، ہاتھ اٹھانا بہترین آداب میں سے ہے، عمومی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں، نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانے سے متعلق خصوصی احادیث بھی ہیں، جن کا تذکرہ آئندہ ہوگا (علامہ قنوجی کی نگاہ شاید وہاں نہ پہونچ سکی) اس لئے نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانے سے متعلق مخصوص حدیث کا نہ ہونا اس کیلئے مضر نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز سب کو معلوم تھی اس لئے لوگوں نے اس کے تذکرہ کو ضروری خیال نہ کیا، علامہ حافظ ابن قیم کا نماز کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا انکار کرنا وہم پر مبنی ہے، ہم نے اس مسئلہ کو اپنی کتابوں میں تحقیقی انداز میں واضح کر کے پیش کر دیا ہے۔

علامہ قنوجی اس مسئلہ سے متعلق بعض احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''خلاصہ یہ ہے کہ ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے، مگر یہ کہ یہ

صراحت ایسی قید لگی ہو، جو عدم رفع کا تقاضا کرتی ہو، جیسے رکوع اور سجدہ کی دعائیں۔'' (نزل الابرار، ص: ۳۶)

ایسے ہی علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری، (۱) مولانا سید نذیر حسین، (۲) مولانا ثناء اللہ امرتسری، (۳) وغیرہ علماء اہل حدیث بھی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے قائل ہیں۔

دعا میں ہاتھ اٹھانے سے متعلق کچھ عمومی احادیث کا تذکرہ ہوا، جس میں کسی موقع یا حالت کی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں، اور اب کسی خاص موقع پر دعا میں ہاتھ اٹھانے سے متعلق احادیث ذکر کی جائیں گی، جس سے اندازہ ہوگا کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ اس کا کس قدر اہتمام کیا کرتے تھے۔

۳۲ **عن عائشة انها رأت رسول الله ﷺ يدعوا رافعا يديه يقول: اللهم انما انا بشر فلا تعاقبنى ايما رجل من المومنين آذيته او شتمته فلا تعاقبنى فيه۔** (الادب المفرد، ج: ۲، ص: ۷۰، رقم: ۶۱۳، حافظ ابن حجر عسقلانی کے بقول اس کی سند صحیح ہے، دیکھئے: فتح الباری، ج: ۱۱، ص: ۱۴۲)

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہے ہیں، اے اللہ میں بشر ہوں، مجھے عقاب سے بچایئے جس مومن کو میں نے تکلیف دی ہو یا اسے تکلیف دہ بات کہی ہو تو مجھ پر اس سلسلہ میں عقاب نہ کیجئے۔

امام عبدالرزاق نے اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

" كان رسول الله ﷺ يرفع يديه حتىٰ انى لا سأم له مما يرفعهما

---

(۱) تحفۃ الاحوذی، ج: ۱، ص: ۲۴۵، کتاب الصلوٰۃ، **باب مايقول إذا سلم**،

(۲) فتاویٰ نذیریہ، ج: ۲، ص: ۲۶۵، (۳) فتاویٰ ثنائیہ، ج: ۲، ص: ۳۲۸

اللھم انما انا بشر فلا تعذبنی بشتم رجل شتمته او اذیته." (مصنف عبد الرزاق، ج:۲، ص:۲۵۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اتنی دیر تک اٹھائے رکھتے کہ میں اکتا جاتی، آپ کہہ رہے تھے کہ اے اللہ میں بشر ہوں، لہٰذا کسی انسان کو تکلیف دہ بات کہنے کی وجہ سے یا ایذا رسانی کی وجہ سے مجھے عذاب نہ دیجئے۔

غزوۂ اوطاس میں حضرت ابو عامر عبید شہید ہوئے، جام شہادت نوش کرتے ہوئے انہوں نے اپنے بھتیجے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے کہا کہ دربارِ رسالت میں میرا سلام پہونچا دینا اور دعاء مغفرت کی درخواست کرنا، حضرت ابو موسیٰ اشعری نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی تو آپ ﷺ نے وضو کر کے بارگاہ خداوندی میں مغفرت کیلئے ہاتھ پھیلائے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

۳۳ **عن ابی موسیٰ اشعری قال دعا النبی ﷺ بماء فتوضا ثم رفع یدیه فقال اللھم اغفر لعبید ابی عامر ورأیت بیاض ابطیه."**

(صحیح بخاری، ج:۲، ص:۹۴۴، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الوضوء)

حضرت ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے پانی منگایا، وضو کیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے اللہ! ابو عامر عبید کی مغفرت فرما، آپ ﷺ نے دست مبارک کو اس حد تک بلند فرمایا کہ مجھے بغل کی سفیدی نظر آنے لگی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے خطبہ میں مشغول تھے، اس دوران ایک شخص آیا اور عرض کیا:

۳۴ **"ھلکت الماشیة، ھلک العیال، ھلک الناس فرفع رسول اللہ ﷺ یدیه یدعو ورفع الناس ایدیھم معه یدعون** (صحیح بخاری،

کتاب الاستقاء ،باب رفع الناس ایدیھم مع الامام فی الاستسقاء)

۳۵- اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ فرمایا، انہوں نے متعینہ قبیلہ میں جا کر ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، جس پر قبیلہ والوں نے لبیک کہا مگر حضرت خالد ان کی مراد نہ سمجھ سکے، اور غلط فہمی کی وجہ سے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا، اللہ کے رسول اللہ ﷺ کو جب اطلاع ہوئی تو آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا، اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا ہے میں تیرے حضور اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں **فرفع النبی ﷺ یدیہ فقال اللّٰھم انی ابرأ إلیک مما صنع خالد** ۔(صحیح بخاری،ص:۶۲۲/۲۱، کتاب المغازی، باب **بعث النبی خالد بن الولید إلی بنی جذیمة**، ج:۲،ص:۹۳۸، کتاب الدعوات، باب رفع الایدی فی الدعاء)

۳۶-قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

رب انھن اضللن کثیراً من الناس فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم۔(سورہ ابراہیم:)

اے رب انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا، تو ان میں سے جس نے میری اتباع کی اس کا تعلق مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو آپ غفور اور رحیم ہیں۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حضور درخواست کریں گے:

إن تعذبھم فانھم عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم. (المائدۃ:۱۱۸)

اگر آپ انہیں سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں، (اور آقا کو حق ہے کہ بندے کو سزا دے) اور اگر معاف کر دیں تو بیشک آپ زبردست حکمت والے ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں آیتوں کی تلاوت کرتے ہوئے اپنی امت کا خیال آیا، اور جناب باری میں آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دئے **فرفع یدیہ وقال اللھم امتی وبکیٰ**۔ (صحیح مسلم، ج:۱، ص:۱۱۳، کتاب الایمان، **باب دعاء النبی لامتہ وبکائہ شفقۃً علیھم**)

امام نووی نے حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ (شرح نووی، ج:۱، ص:۱۱۳)

۳۷ حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ ایک رات اللہ کے رسول ﷺ جنت البقیع تشریف لے گئے اور دیر تک وہاں قیام فرما رہے، اور تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی:

"حتیٰ جاء البقیع فقام فاطال القیام ثم رفع یدیہ ثلاث مرات."

علامہ نووی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے طویل دعا اور مکرر دعا مانگنے اور دعا میں ہاتھ اٹھانے کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔ **فیہ استحباب اطالۃ الدعا وتکریرہ ورفع الیدین فیہ**۔ (صحیح مسلم، ج:۱، ص:۳۱۳، کتاب الجنائز)

۳۸ فتح مکہ کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

" فلما فرغ من طوافہ اتی الصفا فعلا علیہ حتیٰ نظر الی البیت ورفع یدیہ فجعل یحمداللہ ویدعو ماشاء ان یدعو."

(صحیح مسلم، ج:۲، ص:۱۰۳، کتاب الجہاد، **باب فتح مکۃ**)

جب آپ ﷺ طواف سے فارغ ہو گئے تو صفا پر چڑھے، یہاں تک کہ آپ کو بیت اللہ نظر آنے لگا تو دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ کی حمد اور دعاء میں مصروف ہو گئے۔

۳۹ **عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ یا ایھا الناس ان اللہ**

طيب لا يقبل الاطيبا وان الله امر المومنين بما امر به المرسلين فقال: يا ايها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا إني بما تعملون عليم، وقال: يا ايها الذين آمنوا كلوا من طيبات ما رزقنكم، ثم ذكر الرجل يطيل السفر اشعث اغبر يمد يديه الى السماء يا ر ب يا رب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذى بالحرام فانى يستجاب لذالک ۔ (صحیح مسلم، ج:۱، ص:۳۲۶، کتاب الزکوۃ، **باب أن الصدقة يقع علىٰ كل نوع من المعروف**)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا لوگو! اللہ پاک ہے اور پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے، اور اللہ عزوجل نے مرسلین کو جن باتوں کا حکم دیا تھا مومنین کو بھی ان کا پابند بنایا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: پیغمبرو! پاکیزہ غذا استعمال کرو اور نیک عمل کرو میں تمہارے اعمال کے متعلق خوب جانتا ہوں، اور مومنین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: مومنو! ہم نے تمہیں جو پاکیزہ رزق دیا ہے اس کو کھاؤ، پھر آپ ﷺ نے ایسے شخص کا تذکرہ کیا جو طویل سفر (بیت اللہ وغیرہ کی زیارت کیلئے) کرتا ہے، پریشان حال، پراگندہ بال، اور اس حالت میں آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے، اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا پینا، لباس، سب حرام ہے، اور حرام غذا سے اس کی پرورش ہوتی ہے، تو ایسے شخص کی دعاء کیسے قبول ہوگی؟

اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبولیت دعا کیلئے حلال غذا اور لباس وپوشاک ضروری ہے، وہیں یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ ہاتھ اٹھانا آداب دعا میں سے ہے۔

۴۰ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرة سورج گہن کے سلسلہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فانتهيت اليه وهو رافع يديه يدعو يكبر ويحمد ويهلل حتىٰ جلى عن الشمس ۔(ایک دوسری روایت میں ہے: **فأتيته وهو قائم فى الصلاة رافع يديه فجعل يسبح ويحمد ويهلل ويكبر ويدعو**، صحیح مسلم، ج:۱، ص:۲۹۹، کتاب الکسوف)

جس وقت میں وہاں پہونچا آنحضرت ﷺ دونوں ہاتھ اٹھائے، دعا، تکبیر، حمد اور **لا اله الا الله** کہنے میں مشغول تھے، یہاں تک کہ گرہن ختم ہو گیا۔

۴۱ **عن ابى هريرة قال قدم الطفيل بن عمرو الدوسى على رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله ان دوسا قد عصت وأبت فادع الله عليها فاستقبل رسول الله ﷺ القبلة ورفع يديه فظن الناس انه يدعو عليهم فقال اللهم اهد دوسا وإيت بهم ۔**(الادب المفرد، ج:، ص:۶۹۶۸، رقم:۶۱۱، باب رفع الیدین فی الدعاء، صحیح بخاری، کتاب الجہاد، **باب الدعاء للمشركين بالهدىٰ** میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے، لیکن اس میں **ورفع يديه** نہیں ہے)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ دوس کے طفیل بن عمرو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ قبیلہ دوس کے لوگ اسلام سے انکار اور سرکشی کر رہے ہیں، لہٰذا ان کیلئے بد دعا کر دیجئے، یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھ دعا کیلئے اٹھا دیا، لوگوں نے سمجھا کہ آپ ﷺ بد دعا کریں گے، لیکن نبی کریم ﷺ نے بجائے بد دعا کے یہ دعا کی: اے اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور انہیں تابع بنا کر یہاں لے آ۔

۴۲ حضرت جابر بن عبد اللہ سے حضرت طفیل دوسی کے ساتھ ہجرت کرنے والے ایک صاحب کا واقعہ منقول ہے، کہ انہوں نے دوران سفر مرض کی شدت سے پریشان ہو کر ہاتھ کی رگوں کو کاٹ دیا، جس کی وجہ سے موت واقع ہو گئی، حضرت طفیل

نے انہیں خواب میں دیکھا اور دریافت کرنے پر انہوں نے بتلایا کہ ہجرت کی وجہ سے میری بخشش ہوگئی ہے۔ لیکن میرے ہاتھ کے نقص کو دور نہیں کیا گیا اور کہا گیا ہے کہ جس کو تم نے خود خراب کیا ہے ہم اسے درست نہیں کریں گے، حضرت طفیل نے یہ واقعہ اللہ کے رسول ﷺ سے بیان فرمایا اور آنحضرت ﷺ نے بارگار خداوندی میں ہاتھ پھیلا کر ان کے معافی کی درخواست کی۔ **اللھم ولیدیہ فاغفر ورفع یدیہ۔** (الادب المفرد، ج:، ص:۷۰، رقم:۶۱۴، صحیح مسلم، ج:۱، ص:۷۴، کتاب الایمان، **باب الدلیل علیٰ أن قاتل نفسہ لایکفر** میں تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ مذکور ہے، لیکن اس میں **ورفع یدیہ** نہیں ہے)

۴۳ **عن عائشة قالت رأیت رسول اللہ ﷺ رافعا یدیہ حتیٰ بدأ ضبعاہ یدعو برد عثمان**ؓ۔ (جزء رفع الیدین، ص:۶۴، رقم:۸۸)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس قدر بلندی تک ہاتھ اٹھائے دیکھا کہ بغل کا حصہ ظاہر ہوگیا تھا، اس وقت آپ حضرت عثمانؓ کی واپسی کیلئے دعا کر رہے تھے۔

۴۴ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ولید کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے شوہر کے مارنے کی شکایت کی، رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھیجا کہ جاؤ اپنے شوہر سے کہہ دو کہ اللہ کے رسول تمہیں اس سے منع کر رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود بھی وہ باز نہ آیا تو آپ ﷺ نے اللہ عزوجل کے حضور ہاتھ اٹھا کر عرض کیا اللہ! تو ولید سے سمجھ لے، **فرفع رسو ل اللہ ﷺ یدہ فقال اللھم علیک بالولید.** (جزء رفع الیدین، ص:۶۶، رقم:۹۲)

۴۵ **عن اسامة قال کنت ردیف النبی ﷺ بعرفات فرفع یدیہ**

یدعو فمالت ناقته فسقط خطا مها فتناوله الخطام باحدی یدیه وهو رافع الید الاخریٰ ۔(سنن نسائی، ج:۲،ص:۴۴، کتاب مناسک الحج، **باب رفع الیدین فی الدعاء بعرفة**)

حضرت اسامہ کہتے ہیں کہ میں میدان عرفات میں سواری پر اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے دعا کیلئے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے، اسی دوران اونٹنی ایک طرف کو جھک گئی، جس کی وجہ سے نکیل گر گئی، تو آپ ﷺ نے ایک ہاتھ سے لگام کو اٹھایا، جب کہ دوسرا ہاتھ دعا کیلئے اٹھا ہوا تھا۔

امام نسائی نے اس کی روایت کی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔(**اسناده جید**، فتح الباری، ج:۱۱،ص؛۱۴۲)

۴۶ حضرت قیس بن سعدؓ سے منقول ایک حدیث کا آخری ٹکڑا یہ ہے:

ثم رفع رسول الله ﷺ یدیه وهو یقول اللهم اجعل صلوٰتک ورحمتک علی آل سعد بن عبادة" (سنن ابوداؤد، ص:۷۰۴، کتاب الادب، **باب کم مرة یسلم الرجل فی الاستیذان**، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری، ج:۱۱،ص؛۱۴۲ میں اس کی سند کو جید قرار دیا ہے)

اللہ کے رسول ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی اے اللہ! تیری مہربانی و رحمت سعد بن عبادہ کے آل و اولاد پر ہو۔

۴۷ نبی ﷺ نے ایک لشکر روانہ فرمایا، جس میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے، ان کے جانے کے بعد آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی کہ اللہ! مجھے اس وقت تک موت نہ دیجئے، جب تک میں علی کو دیکھ نہ لوں، **رفع یدیه وقال اللهم لا تمتنی حتیٰ ترینی علیاً** ۔(امام ترمذی نے اپنے سنن میں روایت کی اور کہا کہ سند حسن ہے، ج:۲،ص:

۲۱۵، کتاب المناقب، فی آخر مناقب علی من حدیث عطیة)

۴۸ **عن خالد بن الولید انه شکا الیٰ رسول اللہ ﷺ ضیق مسکنه فقال ارفع یدیک الیٰ السماء وسل السعة۔** (المعجم الکبیر للطبرانی، ج:۴، ص:۱۱۷، وقال الهیثمی اسناده حسن، مجمع الزوائد، ج:۱۰، ص:۱۶۹)

حضرت خالد بن ولیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے گھر کی تنگی کی شکایت کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ہاتھ کو آسمان کی طرف اٹھا کر فراخی وکشادگی کا سوال کرو۔

۴۹ **عن طاؤس قال دعا النبی ﷺ علیٰ قوم فرفع یدیه جداً فی السماء فجالت الناقة فامسکها باحدی یدیه واخری قائمة فی السماء۔** (مصنف عبدالرزاق، ج:۱، ص:۲۴۷)

حضرت طاؤس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک قوم پر بددعا کی تو دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف خوب بلند کیا، اس دوران اونٹنی گھوم گئی تو آنحضرت ﷺ نے ایک ہاتھ سے اسے روکے رکھا اور دوسرا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا ہوا تھا۔

۵۰ **عن عروة ان رسول اللہ ﷺ مر بقوم فی الاعراب کانوا قد اسلموا وکانت الاحراب قد خربت بلادهم فرفع رسول اللہ ﷺ یدعو لهم باسطا یدیه قبل وجهه۔** (مصنف عبدالرزاق، ج:۱، ص:۲۵۱)

حضرت عروہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دیہات کے کچھ لوگوں کے پاس گزرہوا، جو اسلام لاچکے تھے، جنہیں اسلام دشمن جتھوں نے برباد کردیا تھا، یہ دیکھ کر ان کے متعلق دعا کیلئے ہاتھوں کو چہرے کی طرف کرکے اللہ کے حضور پھیلا دیا۔

یہ دونوں روایتیں اسنادی حیثیت سے صحیح ہیں، البتہ مرسل ہیں، یعنی تابعی نے صحابی کے واسطے کے بغیر براہ راست اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کو نقل

کیا ہے۔ اس طرح کی روایتوں میں زیادہ تر امکان اس کا ہوتا ہے کہ تابعی نے کسی صحابی سے حدیث سنی ہوگی مگر کسی وجہ سے ان کا نام نہیں لیا، یا کسی دوسرے قابل اعتماد تابعی سے حدیث لی ہوگی اور انہوں نے صحابی سے، اس لئے اکثر محدثین مرسل روایت کو حجت مانتے ہیں، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

ان روایتوں سے دعا میں ہاتھ اٹھانے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور یہ کہ نبی کریم ﷺ اس کا کس قدر اہتمام فرمایا کرتے تھے کہ منبر پر خطبہ دے رہے ہیں، اس دوران دعا کی درخواست آئی ہے اور رب کائنات کی حضور دونوں ہاتھ دعا کیلئے پھیلا دیتے ہیں، اونٹنی پر سوار ہیں اور ایک ہاتھ میں نکیل ہے تو دوسرا ہاتھ دعا میں مشغول ہے، اتنی دیر تک ہاتھ اٹھائے رہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ ترس کھانے لگتی ہیں، اور اس کے علاوہ دیگر روایتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ عام طور پر نبی کریم ﷺ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے، رہی حضرت انس سے منقول یہ حدیث کہ:

”کان رسول اللہ ﷺ لا یرفع یدیه فی شئی من دعائه الا فی الاستسقاء فانه یرفع حتیٰ یری بیاض ابطیه.“

(دیکھئے: صحیح بخاری، ج:۱، ص:۱۴۰، کتاب الاستسقاء، باب رفع الامام یدہ فی الاستسقاء، صحیح مسلم، ج:۱، ص:۲۹۳، کتاب الاستسقاء، باب رفع الیدین فی الاستسقاء)

رسول اللہ ﷺ استسقاء کے علاوہ اپنی کسی دعا میں بھی ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے تھے، اور استسقاء میں اس حد تک ہاتھ بلند کرتے کہ بغل کی سفیدی نظر آنے لگتی۔

تو اس حدیث کو ظاہری معنیٰ پر باقی رکھنا مشکل ہے، کیونکہ اسی درجہ کی صحیح روایتوں سے استسقاء کے علاوہ متعدد جگہوں پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہے، بلکہ کوئی توجیہ ضروری ہے تاکہ تعارض ختم ہو، چنانچہ فقہاء اور

محدثین نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت انس رضؓ کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھانے میں مبالغہ صرف استسقاء میں کیا کرتے تھے، اور اس حد تک کرتے کہ آپ کے بغل کی سفیدی نظر آنے لگتی، جیسا کہ حدیث کے آخری ٹکڑے سے معلوم ہو رہا ہے اور یہ بھی ان کے علم کے مطابق ہے، (فتح الباری، ج:۲، ص: ۵۱۷، ارشاد الساری، ج:۲، ص: ۲۵۱) ورنہ تو استسقاء کے علاوہ اور مواقع پر بھی اس قدر ہاتھ اٹھانا ثابت ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانے سے ہر شخص واقف اور آگاہ تھا، صحابہ کرام پنج وقتہ نمازوں میں اللہ کے رسول ﷺ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھتے تھے، اور تابعین عظام کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے جانثاروں کا طرز عمل تھا، یہ ایک عام، اتفاقی اور مشہور بات تھی اس لئے بیان کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی، تاہم جب بعض لوگوں نے غلط فہمی کی وجہ سے نماز کے اندر دعا میں ہاتھ اٹھانا شروع کیا تو اس پر تنبیہ کرتے ہوئے صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن زبیر نے فرمایا:

۵۱ **ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یرفع یدیه حتیٰ یفرغ من صلاته.**

رسول اللہ ﷺ نماز سے فراغت کے بعد ہی دعا کیلئے ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے نقل کیا ہے، (۱) اور علامہ ہیثمی کے بیان کے مطابق اس کے راوی قابل اعتماد ہیں، **رجاله ثقات** (مجمع الزوائد، ج:۱، ص:۱۶۹) یا کسی خاص

---

(۱) المعجم الکبیر، ج:۱۳، ص:۱۳۹، امام مالک کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے صاحبزادے عامر کو نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتے ہوئے دیکھا، امام مالک سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ اس میں کچھ حرج سمجھتے ہیں، تو انھوں نے کہا نہیں، البتہ بہت زیادہ بلند نہ کرے، ظاہر ہے کہ حضرت عامر کا یہ عمل اپنے والد سے منقول مذکورہ روایت کی بنیاد ہے۔ **حاشية الرهونی**، ج:۱، ص:۴۰۹

واقعہ کے ذیل میں اس کا تذکرہ آ گیا ہے، جیسے حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ:

۵۲ ان رسول اللہ ﷺ رفع یدیہ بعد ماسلم وھو مستقبل القبلۃ فقال اللھم خلص الولید بن الولید وعیاش بن ربیعۃ وسلمۃ بن ھشام وضعفۃ المسلمین الذین لا یھتدون حیلۃ ولا یھتدون سیبلا من ایدی الکفار۔ (تفسیر ابن کثیر، ج:۱، ص:۸۲۳، سورۃ النساء، آیت:۱۰۰)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رخ ہوکر دعا کیلئے ہاتھ اٹھایا اور بارگار خداوندی میں عرض کیا، اے اللہ! ولید بن ولید، عیاش بن ربیعہ، سلمہ بن ہشام، اور کمزور مسلمانوں کو کافروں کے ہاتھ سے نجات دے، جو ہجرت کرنے کیلئے کسی تدبیر اور زادراہ کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔

یہ روایت اسنادی حیثیت سے بے غبار ہے، اس کے راوی چمکتے سورج کی طرح ہیں، صرف ایک راوی علی بن زید پر حافظہ کے اعتبار سے معمولی کلام ہے، امام بخاری نے ''الادب المفرد'' میں اور امام مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے ان کی حدیث کو نقل کیا ہے۔ ابن عدی نے ان کے تفصیلی تعارف کے بعد لکھا ہے کہ ان کی حدیثیں اچھی ہیں، میں نے بصرہ وغیرہ کے محدثین میں سے کسی کو ان کی حدیث چھوڑتے ہوئے نہیں دیکھا۔ **لعلی بن زید احادیث صالحۃ ولم أرا أحدا من البصرین وغیرھم امتنع من الروایۃ عنہ۔** (الکامل لابن عدی، ج:۵، ص:۴۰، رقم:۱۸۴۵) اور یعقوب بن شبیہ کا بیان ہے کہ **ثقۃ صالح الحدیث** (قابل اعتماد اور اچھی حدیث والے ہیں) اور محدث عجلی کہتے ہیں کہ **یکتب حدیثہ۔** (عمل الیوم واللیۃ، ص:۳۸/۳۹)

محدث ابن السنی نے حضرت انس بن مالک کے حوالے سے ایک ترغیبی حدیث

بھی نقل کی ہے لیکن روایت ضعیف ہے۔

۵۳ ما من عبد يبسط كفيه فى دبر كل صلوٰة ثم يقول: اللهم الٰهى والٰه ابراهيم واسحاق ويعقوب والٰه جبرئيل وميكائيل واسرافيل عليهم السلام اسألک ان تجيب دعوتى فانى مضطر وتعصمنى فى دينى فانى مبتلى وتنالنى برحمتک فانى مذنب وتنفى عنى الفقر فانى متمسکن الا کان حقا على الله عزو جل ان لا يرد يديه خابتين۔ (تہذیب التہذیب، ج:۷، ص:۳۲۳)

جو بندہ نماز کے بعد ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کرے، میرے معبود! ابراہیم، اسحاق، یعقوب علیہم السلام کے معبود! جبرئیل ومیکائیل واسرائیل علیہم السلام کے معبود! میں سائل ہوں کہ تو میری دعا کو قبول کر لے کیونکہ میں پریشان ہوں، میرے دین کی حفاظت فرما کیونکہ میں آزمائش میں ہوں۔ مجھے اپنی رحمت سے نواز کہ میں گنہگار ہوں، مجھ سے فقر کو دور فرما کہ میں نادار ہوں، تو اللہ ضرور اس کی مراد پوری کر دیں گے اور اسے خالی ہاتھ نہیں لوٹائیں گے۔

یہ روایت سند کے اعتبار سے بہت کمزور ہے، متعدد راویوں پر کلام کیا گیا ہے۔ خصوصاً ایک راوی عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن پر سخت جرح کی گئی ہے۔ (دیکھئے: المیزان، ج:۱، ص:۶۵۳/۶۵۴) تاہم بطور تائید اس طرح کی روایتیں ذکر کی جاسکتی ہیں، اور ایسے ہی ایک روایت میں نفل نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کی رغبت دلائی گئی ہے اور جس نماز میں یہ نہ ہو اسے ناقص کہا گیا ہے۔

۵۴ عن فضل بن عباس قال رسول الله ﷺ الصلاة مثنٰى مثنٰى تشهدٌ فى كل ركعتين وتخشعٌ وتضرعٌ وتمسكنٌ وتقنع يديک يقول ترفعهما الى ربک مستقبلاً ببطونهما وجهک وتقول: يارب

یارب ومن لم یفعل فهو کذٰ و کذا۔

یہ روایت حدیث نمبر۲۰/ کے ذیل میں آچکی ہے، وہاں ترجمہ اور اسنادی حیثیت پر گفتگو ہو چکی ہے۔ یہ نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانے سے متعلق صریح اور واضح روایت ہے، کیونکہ محدثین نے تصریح کردی ہے کہ نماز کے اندر تشہد کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے بلکہ گزر چکا ہے کہ صحابہ اس وقت دعا میں ہاتھ اٹھانے سے منع کیا کرتے تھے لہٰذا یہ روایت نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے پر دلالت کرتی ہے چنانچہ امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں:

”ورفع الیدین فی التشهد قبل التسلیم لیس من سنة الصلاة وهذا دال علی انه انما امره برفع الیدین والدعاء والمسالة بعد التسلیم۔

تشہد میں سلام سے پہلے دونوں ہاتھ اٹھانا نماز کی سنت میں سے نہیں ہے، اس لئے یہ حدیث رہنمائی کررہی کہ آنحضرت ﷺ نے سلام کے بعد دعا اور ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا۔ (صحیح ابن خزیمہ، ج:۲، ص:۲۲۱)

☆☆☆☆☆☆☆

حرفِ آخر

اس طرح کی وضاحت علامہ ابن عربی اور علامہ سندھی سے بھی منقول ہے۔ (اعلاء السنن، ج:۳، ص:۱۶۵) نماز ایک اہم فریضہ اور عبادت و بندگی کا اعلیٰ مظہر ہے، اس لئے نماز کے بعد اللہ کی خصوصی رحمت بندوں کی طرف متوجہ رہتی ہے، اور اس وقت جو دعا کی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے، اس لئے حدیث میں نماز کے بعد دعا کی ترغیب دی گئی ہے اور جس نماز کے بعد دعا نہ ہو اسے ناقص کہا گیا ہے، اور عملی طور پر اللہ کے رسول ﷺ سے نماز کے اندر تشہد اور درود کے بعد بھی دعا ثابت ہے اور سلام کے بعد بھی۔ اس کی حکمت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ تمام مسلمان عربی زبان سے واقف نہیں ہوتے ہیں، حالانکہ نماز کے اندر عربی زبان کی رعایت کرنی ہوگی اور تمام لوگوں کو اپنی مراد مانگنے کیلئے عربی زبان سیکھنے پر مجبور کرنا دشواری اور تنگی کا باعث ہوگا، اور آسان دین ان کیلئے مشکلات کا سبب بن جائے گا، اس لئے قبولیت دعا کا ایسا وقت بھی متعین کیا گیا ہے، جس سے کسی فرق اور دشواری کے بغیر ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

دعا میں ہاتھ اٹھانا بھی حدیث سے ثابت ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ اس طرح سے ظاہری صورت بھی بھکاری اور فقیر کی سی بن جاتی ہے۔ اللہ کو یہ ادا بہت پسند ہے۔ اس طرح دعا کرنے سے قبولیت کی راہ کھل جاتی ہے، جن احادیث میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی ترغیب آئی ہے وہ بالکل عام ہیں، اور ان کے عموم میں نماز کے بعد دعا بھی شامل ہے، لہٰذا یہاں

بھی ہاتھ پھیلا کر دعا کرنا سنت اور مستحب ہے، کیونکہ اصولی طور پر یہ مسلم ہے کہ کوئی آیت یا حدیث عام ہو تو اس کے تمام افراد اس حکم میں شامل ہوں گے مگر یہ کہ خصوصیت کی کوئی دلیل ہو، ہر مسئلہ کیلئے خصوصی دلیل کا مطالبہ ایک خطرناک رجحان ہے، کہ اس کی وجہ سے عمومی آیات واحادیث کا کوئی مقصد ہی نہیں رہ جائے گا، اور اسلامی شریعت کا ناقص اور نامکمل ہونا لازم آئے گا، کیونکہ بہت سے احکام کے متعلق کوئی خصوصی آیت یا حدیث موجود نہیں ہے۔

علاوہ ازیں خصوصی طور سے بھی نماز کے بعد دعا ہی میں ہاتھ اٹھانا صحیح حدیث سے ثابت ہے، اگر اس سے متعلق احادیث کو ضعیف بھی مانا جائے تو بھی اس سے استحباب اور فضیلت کو ثابت کیا جاسکتا ہے، چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں:

”قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيره يجوز ويستحب العمل فى الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف مالم يكن موضوعا۔“ (الاذکار، ص: ۱۲/۱۱)

فقہاء اور محدثین کا خیال ہے کہ فضائل میں اور خوف اور رغبت دلانے کیلئے ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ، موضوع اور من گھڑت نہ ہو۔

امام احمد بن حنبل اور عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ سے بھی بہ صراحت ضعیف حدیث پر عمل کا جواز منقول ہے، بلکہ اس پر ایک طرح سے اجماع اور اتفاق ہے جیسا کہ امام نووی نے ”الاربعین“ میں نقل کیا ہے، (۱) بعض حضرات نے علامہ ابن العربی مالکی کا اختلاف نقل کیا ہے کہ وہ ضعیف حدیث پر بالکل عمل کے قائل نہیں ہیں۔ (۲)

---

(۱) اس موضوع سے متعلق تحقیقی اور تفصیلی بحث کیلئے دیکھئے: مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی کتاب ”الاجوبة الفاضلة“ ص: ۳۶ و ۵۹، اور ”ظفر الامانی“ ص: ۱۷۸ و ۲۰۷،

(۲) د: ”القول البدیع“ للسخاوی، ص: ۳۶۳

لیکن علامہ ابن عربی کی تحریروں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی طرف یہ نسبت درست نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے ’’**مراقی الزلف** ‘‘میں لکھا ہے کہ شوہر کیلئے بیوی کی شرمگاہ دیکھنا میرے نزدیک مکروہ ہے، کیونکہ اگرچہ کراہیت کے متعلق حدیث ثابت نہیں ہے لیکن ضعیف حدیث علماء کے نزدیک رائے اور قیاس سے بہتر ہے۔ (**تنزیه الشریعة لابن العراقی** ،ج:۲،ص:۲۰۹) نیز حدیث: **یشمت العاطس ثلاثاً** (چھینکنے والے کا جواب تین مرتبہ دیا جائے) پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگرچہ اس حدیث میں ایک راوی مجہول ہے پھر بھی اس کے مطابق عمل کرنا مستحب ہے، کیونکہ یہ خیر اور بھلائی کی دعا ہے۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن العربی جمہور علماء کی طرح بہت زیادہ ضعیف حدیث کو جو قریب بہ موضوع ہو نا قابل عمل سمجھتے ہیں۔ مطلقاً ضعیف حدیث پر عمل کا انکار نہیں کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ کسی حدیث کے ردوقبول میں علماء امت کے باہمی تعامل کو بھی اہم حیثیت حاصل ہے، کہ ضعیف حدیث ہی پر امت کا عمل ہوتو وہ اپنے ضعف اور کمزوری کے باوجود قابل استدلال ہوجاتی ہے، مثلاً حدیث میں ہے کہ ”**طلاق الامة تطلیقتان وعدتها حیضتان**“ (باندی کیلئے طلاق کا عدد دو ہے اور عدت بھی دو حیض ہے) امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ: **والعمل علی هذا عند اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ و غیرهم** (علماء وصلحاء اور دیگر اہل علم کا عمل اسی کے مطابق ہے) سنن ترمذی، ج:۱،ص:۱۴۱ ،**باب ماجاء أن طلاق الامة تطلیقتان**،

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابوالعاص کے ایمان لانے کے بعد از سر

نو حضرت زینب سے ان کا نکاح کیا گیا، امام ترمذی اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”ھذا حدیث فی اسنادہ مقال والعمل علیٰ ھذا الحدیث عند اہل العلم...... وھو قول مالک بن انس والاوزاعی والشافعی واحمد واسحاق. “ (سنن ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی الزوجین المشرکین، ص:۲۱۷)

اس حدیث کی سند پر کلام ہے لیکن اہل علم کا عمل اسی کے مطابق ہے۔ امام مالک، اوزاعی، شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی نقطہ نظر ہے۔

حالانکہ اس کے برخلاف ایک صریح اور صحیح حدیث ہے کہ حضرت ابوالعاص کے اسلام لانے کے بعد حضرت زینب کے ساتھ ان کے نکاح کی تجدید نہیں کی گئی۔

رد النبی ﷺ ابنته زینب علیٰ ابی العاص بن الربیع بعد ست سنین بالنکاح الاول یحدث نکاحاً ۔ (حوالہ مذکور) لیکن چونکہ اس کے مطابق کسی فقیہ کا عمل نہیں ہے، اس لئے امام ترمذی کہتے ہیں کہ شاید اس روایت میں راوی کو وہم ہوا ہے۔

اسی طرح **”لا وصیة الوارث “** (حوالہ مذکور، ج:۲ص:۴۶) (وارث کیلئے وصیت نہیں ہے) اور **”القاتل لا یرث “** (حوالہ مذکور، ج:۲ص:۴۰) (قاتل وارث نہیں ہوگا) بھی اسنادی حیثیت سے ضعیف ہے لیکن امت کا عمل اس کے مطابق ہونے کی وجہ سے اسے قابل استدلال سمجھا گیا ہے۔

اور بسا اوقات صحیح حدیث اس لئے قبول نہیں کی جاتی کہ امت کا عمل اس کے مطابق نہیں ہے، چنانچہ امام ترمذی نے لکھا ہے کہ ان کی کتاب کی دو روایتیں صحت سند کے باوجود بالاتفاق متروک ہیں، ان پر کسی فقیہ کا عمل نہیں ہے۔ (کتاب العلل مع سنن

ترمذی، ج:۲، ص:۲۳۳) اسی طرح سے حدیث میں صحیح سند کے ساتھ یہ صراحت مذکور ہے کہ ''مستحاضہ عورت'' ہر نماز کیلئے الگ الگ غسل کرے گی، (سنن ابوداؤد، ج:۱، ص:۴۰، **باب ماروی أن المستحاضة تغسل لکل صلاۃ**) مگر اس کے مطابق بھی کسی کا عمل نہیں ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ امت محمدیہ (**علیٰ صاحبها الصلاۃ والتسلیم**) کا اجتماعی طور پر کسی چیز کو قبول یا رد کرنا دین کے مجموعی مزاج سے موافقت اور عدم موافقت کو ظاہر کرتا ہے، یقیناً یہ عملی تواتر اور تاریخی تسلسل اس لائق ہے کہ اس کی وجہ سے وہ روایت بھی قبول کی جائے جن کے راویوں میں کچھ کمزوری ہو، کیونکہ امت کا یہ باہمی تعامل اسے قوی تر بنادے گا۔ یہ خود ایک قوی سلسلہ اسناد ہے کہ اس کے سامنے وہ سلسلہ اسناد ہیچ ہے، جس میں محض ایک ایک راوی ہوں۔

نماز کے بعد دعا اور اس میں ہاتھ اٹھانا بھی ایسے ہی مسائل میں سے ہے، جس کی بنیاد صحیح احادیث پر ہے اور امت کے علماء و صلحاء کی تائید حاصل ہے، جب کہ اس سے ممانعت کے سلسلہ میں صحیح حدیث تو دور کی بات ہے، ضعیف اور من گھڑت روایت کا بھی وجود نہیں ہے۔

خاتمہ

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

ایک اِشکال:

فرض نمازوں کی بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت اور دلائل قارئین کرام کے ملاحظہ سے گزر چکے، اس سے ایک منصف مزاج کو شرح صدر ہو جاتا ہے کہ نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، بدعت تو کیا ہوتا، بہتر اور مستحب ہے۔ بعض لوگوں کو یہاں بخاری و مسلم کی ایک روایت سے شبہ ہوسکتا ہے کہ دعاؤں میں عموماً، اور نماز کے بعد خصوصاً، رسول اللہ ﷺ سے ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں ہے، وہ روایت یہ ہے۔

عن انس بن مالک رضی الله عنه قال: کان رسول الله ﷺ لا یرفع یدیه فی شئی من دعاءه الا فی الاستسقاء فانه کان یرفع یدیه حى یری بیاض ابطیه۔

حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے تھے، سوائے استسقاء کے، کہ اس میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا بلند کرتے تھے، آپ ؐ کے بغل کی سفیدی ظاہری ہو جاتی تھی۔

اس روایت سی معلوم ہوتا ہے کہ استسقاء کے علاوہ کسی اور موقع پر دعا میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت نہیں ہے۔

جواب:

لیکن دعویٰ اور یہ استدلال حدیث کے ناقص مطالعہ کے باعث ہے۔ اگر ایک حدیث یہ ہے تو بکثرت حدیثیں قولی بھی اور فعلی بھی، کہ رسول اللہ ﷺ نے دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے کی ترغیب دی ہے، اور خود بھی ہاتھ اٹھائے ہیں۔

اس مسئلہ پر مشہور حافظ حدیث امام زکی الدین عبدالعظیم نے، ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، نیز حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ”**فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء**“ ہے، امام منذری کے رسالہ سے امام نووی نے **کتاب الاذکار** میں اور **شرح المهذب** میں حدیثیں نقل کی ہیں۔ بلکہ حافظ جلال الدین سیوطی نے تو **تدریب الراوی شرح تقریب النواوی**“ میں اس بات کی تصریح کی ہے، دعا میں ہاتھ اٹھانے کی حدیثیں، رسول اللہ ﷺ سے بطریق تواتر معنوی منقول ہیں، چنانچہ مبحث التواتر میں فرماتے ہیں کہ:

> متواتر کی ایک صورت یہ ہے کہ اس کا معنی متواتر ہو، جیسے وہ احادیث جن میں دعاؤں کے اندر ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، اس مسئلہ میں تقریبًا سو حدیثیں وارد ہیں، جن میں دعا کے اندر ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ ہے، جنھیں میں نے ایک رسالہ میں جمع کیا ہے، لیکن ان کا تعلق مختلف مقامات اور مسائل سے ہے، تو گو ہر مسئلہ متواتر نہیں ہے، لیکن مجموعی اعتبار سے قدر مشترک یعنی دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا قطعی طور سے متواتر ہے۔ (ص:۱۸، نوع:۳۰)

ظاہر ہے کہ یہ متواتر قدر مشترک، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول خبر واحد پر مقدم ہے۔ اس لئے جمہور ائمہ حدیث کے نزدیک متواتر ہی کو ترجیح حاصل ہوگی۔ حضرت

انس ؓ کی روایت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو استسقاء کے علاوہ کسی اور موقع پر ہاتھ اٹھاتے نہیں دیکھا، یا انھیں اس کا علم نہیں ہوسکا۔ لیکن اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے، کہ کسی اور نے بھی نہیں دیکھا، اور دوسروں کو بھی معلوم نہیں ہے۔

امام نووی علیہ الرحمہ مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

> حضرت انس ؓ کی حدیث سے بظاہر وہم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے استسقاء کے علاوہ کبھی دعا میں ہاتھ نھیں اٹھایا ہے، لیکن بات یہ نہیں ہے، بلکہ آپ ؐ سے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت استسقاء کے علاوہ اتنے مقامات میں ہے کہ ان کا شمار مشکل ہے، اس موضوع پر میں نے بخاری و مسلم سے تقریباً تیس حدیثیں جمع کی ہیں، جن میں بعض تو دونوں کتابوں میں ہیں اور بعض ان دونوں میں سے کسی ایک کتاب میں، ان احادیث کو میں نے شرح المہذب کے ابواب صفۃ الصلوۃ کے اخیر میں ذکر کیا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ:

> ”اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے استسقاء کے علاوہ کسی اور موقع پر اتنا زیادہ ہاتھ نہیں اٹھایا ہے کہ آپ کے بغل کی سفیدی ظاہر ہوجائے۔ یا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے، کہ راوی نے کسی اور موقع پر ہاتھ اٹھاتے دیکھا نہیں ہے، جب کہ دوسرے حضرات صحابہ کرام نے دیکھا ہے، اور ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو بکثرت مواقع پر ہاتھ اٹھانے کا اثبات کرتے ہیں، ان کی روایتوں کو اس ایک شخص کی

روایت پر ترجیح حاصل ہوگی۔ جو ان مواقع پر موجود نہ تھا۔

حاصل یہ ہے کہ متواتر روایات سے، اور باتفاق علماء دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا ثابت اور مستحب ہے۔ اس میں اسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھانا ممنوع ہو، اور دوسرے اوقات میں اٹھانا شروع ہو، اس مسئلے میں عمومی احادیث تو بہت ہیں۔ بعض احادیث میں خصوصیت کے ساتھ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھانے کا ذکر ملتا ہے۔

چنانچہ ابن سنی نے **عمل الیوم واللیلة** میں اور حضرت ابوالشیخ نے حضرت انسؓ سے نقل کیا کہ: **مامن عبد یبسط کفیه فی دبر کل صلوة ثم یقول اللهم الٰهی واله ابراهیم الخ** (دیکھئے: ص، ۸۲) یعنی بندہ کسی بھی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کرتا ہے **اللهم الٰهی واله ابراهیم الخ** تو اللہ تعالیٰ پر حق ہو جاتا ہے، کہ اس کے ہاتھوں کو ناکام و نامراد نہ کریں۔

یہ حدیث گو سند کے لحاظ سے ضعیف ہے، لیکن دوسری روایات سے چونکہ اس مضمون کی تائید و توثیق ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے استحباب میں کوئی شبہ نہیں ہے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز سے فارغ ہونے کے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہا ہے۔ جب اس سے فارغ ہو گیا، تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہی ہاتھ اٹھایا کرتے تھے یہ روایت طبرانی کی ہے، علامہ ہیثمی نے فرمایا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔

علامہ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں کہ:

ان رسول ا اللہ ﷺ رفع یده بعد ماسلم وهو مستقبل القبلة فقال

اللهم خلص الوليدبن الوليد وعياش بن ربيعه ولمه بن هشام وضعفة المسلمين الذين لا يستطيعون حيلةً ولا يهتدون سبيلاً من ايدى الكفار . (تفسیر ابن کثیر سورۃ نساء، آیت: ۱۰۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رو ہونے ہی کی حالت میں اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور یہ دعا کی۔

اس روایت کی سند میں صرف ایک راوی علی بن زید پر کچھ کلام کیا گیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ بخاری کے علاوہ باقی اور صحاح کے راوی ہیں، اس لئے یہ روایت معتبر ہے تفصیل کے لئے اصل عربی رسالہ، ص: ۱۳۵ کا مطالعہ کیجئے۔

ان روایات کی روشنی میں اب کسی اہل حدیث کو یہ شبہ نہیں رہ سکتا کہ نمازوں کے بعد عموماً بھی اور خصوصاً بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے۔

سوال:

اب ایک سوال رہ جاتا ہے کہ نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کا کیا ثبوت ہے، کہ تمام مقتدی امام کے ساتھ دعا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی شروع کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ختم کرتے ہیں۔ گو کہ ان میں سے ہر ایک شخص اپنی اپنی دعا علیحدہ کرتا ہو۔

جواب:

نمازوں کے بعد دعا کا انکار کرنے والے جب سب طرف سے مجبور ہوتے ہیں، تو آخری حربہ کے طور پر یہی سوال استعمال کرتے ہیں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ کہاں سے چلے تھے۔ شروع یہاں سے ہوئے تھے کہ کسی نماز کے بعد کوئی دعا رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں ہے، نہ آپ نے کیا، نہ خلفاء نے یہ عمل کیا، نہ آپ نے امت کو اس کی ہدایت کی (علامہ ابن قیم کا کلام گزر چکا ہے) جب اس کی تردید کی گئی، تو ہاتھوں

کے اٹھانے پر کلام کیا گیا، جب اس کا بھی ثبوت مل گیا۔ تو اب اجتماعی دعا کا نام لیا۔

لیکن یہ بات محقق ہے کہ اگر کسی مسئلہ پر کوئی عام دلیل پیش کردی جائے جس سے اس موضوع پر استدلال ہوسکتا ہو، تو کسی خاص دلیل کا مطالبہ غلط ہے، عمومات سے استدلال سب نے کیا ہے۔ ہر مسئلے میں خاص دلیل کا مطالبہ جہل کی بات ہے۔ آج کل یہ رجحان بہت تیزی سے پھیلا ہے کہ ہر قول اور ہر عمل کے لئے کسی خاص حدیث سے دلیل چاہئے، جو براہ راست اس قول اور عمل پر دلالت کرے۔ حال یہ ہے کہ کسی نے تجوید و ترتیل کے ساتھ قرآن پاک کو پڑھا تو اس پر حدیث کا مطالبہ ہے، خاص حدیث نہیں ملی تو بدعت ہے! تلاوت قرآن کے بعد کسی نے **صدق اللہ مولانا العظیم** کہہ کر اپنے ایمان کو تازہ کیا، تو اس پر حدیث کا مطالبہ ہے، اور خاص حدیث نہیں ملی تو بدعت ہے۔ کسی نے بزرگ سے منقول کوئی دعا پڑھ دی، مثلاً **حزب البحر** اور **دلائل الخیرات** وغیرہ۔ تو اس پر خاص حدیث کا مطالبہ ہے ورنہ بدعت ہے۔ کسی کسی موقع پر خاص خاص دعاؤں کا پڑھنا اہل اللہ حضرات کے تجربے سے مفید ثابت ہوا ہے۔ اس کے لئے حدیث کا مطالبہ ہے۔ امام غزالی نے وضو کے اعضاء کے دھوتے وقت مختلف دعائیں ذکر کی ہیں۔ ان پر حدیث کا مطالبہ ہے، نہیں تو بے اصل ہے، بدعت ہے۔ غرض جہالت کا عجب تماشا ہے۔ ان لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ عام احادیث جن سے اس جنس کے بہت سے مسائل پر استدلال ہوسکتا ہے، کسی عمل کی مشروعیت کے لئے کافی نہیں ہیں جب تک خاص اسی مسئلے پر کوئی حدیث نہ مل جائے، انھیں تشفی نہیں ہوتی، حالانکہ احکام شرع کے سلسلہ میں یہ بہت خطرناک رجحان ہے، کبھی کبھی اس کا انجام کفر بھی ہوسکتا ہے، مگر انھیں خبر نہیں۔ کیونکہ اگر ہر مسئلہ میں یہ شرط لگادی جائے کہ وہ اسی وقت جائز ہوگا جب کوئی خاص حدیث یا کوئی خاص

آیت بعینہٖ اسی مسئلے پر دلالت کرے، اور اگر ایسی خاص دلیل نہ ملی تو وہ عمل جائز نہ ہوگا بدعت ہوگا۔ اگر یہ شرط مان لی جائے تو کتاب وسنت کے عمومات بیکار ہوجائیں گے۔ اوران اسے استدلال باطل ٹھہرے گا۔ اس نظریہ کے نتیجے میں دلائل شریعت کا ایک بڑا حصہ برباد ہوجائے گا، اور احکام کا دائرہ نہایت تنگ ہوجائے گا۔ اور یہ بھی لازم آئے گا کہ نعوذباللہ شریعت مطہرہ ہر زمانے کے احکام ومسائل کے لئے کافی نہیں ہے۔ آخر ہر ہر جزئیہ کے لئے خاص دلیل کیا ہر زمانے کے لئے مل سکتی ہے؟

پھر تو ان پر بھی سوالات کی بوچھار ہوگی کہ

۱-کس حدیث سے ثابت ہے کہ ہر مسئلے میں خاص دلیل چاہئے؟

۲-کس حدیث سے ثابت ہے کہ ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز نہیں ہے؟

۳-کس حدیث سے ثابت ہے فلاں راوی کی روایت صحیح، حسن، ضعیف یا موضوع ہوگی۔

۴-کس حدیث سے ثابت ہے کہ نماز کے بعد اجتماعی طور سے دعا کرنا بدعت ہے؟

۵-کس حدیث سے ثابت ہے نمازوں کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا بدعت ہے؟

اور اس طرح کے بے شمار سوالات پیدا ہوں گے۔ کیا علم حدیث کے مدعیوں اور جہالت کے نمائندوں کے پاس ہر مسئلہ میں عام دلائل کے علاوہ کوئی خاص دلیل موجود ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ خاص دلیل کے مطالبہ کا نظریہ خود خلاف سنت ہے، دلیل ملاحظہ ہو:

امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب میں متعدد جگہوں پر ایک روایت نقل کی ہے کہ **الخیل لثلاثۃ، لرجل اجر، ولرجل ستر، وعلی رجل وزر۔** گھوڑے تین آدمیوں کیلئے ہیں۔ ایک شخص کیلئے اجر ہے، ایک شخص کے لئے پردہ پوشی کا سامان ہے۔ اور ایک شخص پر گناہ ہے۔ پھر آپ نے ہر ایک کی تفصیل بیان

فرمائی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ گدھوں کے بارے میں کیا ارشاد ہے، آپ نے فرمایا:

ماأنزل علیّ فیھا الا ھٰذہ الآیۃ الجامعۃ الفاذۃ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ ، گدھوں کے سلسلے میں میرے اوپر سوائے اس جامع اور منفرد آیت کے اور کچھ نازل نہیں ہوا ہے، اور آپ نے پڑھا، **فمن یعمل مثقال ذرۃ** جس نے ذرہ بھر بھلائی کی، اسے وہ دیکھے گا، اور جس نے ذرہ بھر برائی کی اسے وہ دیکھے گا۔

اس پر حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں کہ:

وفیہ تحقیق لاثبات العمل بظواھر العموم وانھا ملزمۃ حتی یدل دلیل التخصیص ۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے ظواہر عموم پر عمل کیا جائے گا، اور ان سے بھی لزوم ثابت ہوتا ہے تا آنکہ اس کے خلاف کوئی دلیل مل جائے۔

(فتح الباری، ج:۶، ص:۸۱)

دیکھئے اس حدیث میں گدھے کے مسئلے میں ایک عام دلیل سے استدلال فرمایا کہ اگر اس کے پالنے میں ارادہ خیر کا ہے تو وہ ملے گا، اور اگر شر کا ارادہ ہے، تو وہ ملے گا۔

یہ حدیث عمومات سے استدلال کی بہت واضح دلیل ہے، ایک اور حدیث ملاحظہ ہو، جس میں مشہور صحابی رسول، جلیل القدر فقیہ و مجتہد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک عام آیت سے ایک خاص مسئلے میں استدلال کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ: **لعن اللہ الواشمات والموتشمات والمنتھضات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ** ۔

اللہ نے لعنت کی ہے، گودنا گودنے والی، اور گدوانے والی پر اور اس عورت پر، جو چہرے کے روئیں کو اکھاڑتی ہے، اور دانتوں میں جھری پیدا کرتی ہے۔ تا کہ حسین ظاہر ہو جو اللہ کی خلقت میں تبدیلی پیدا کرتی ہے۔

یہ خبر بنی اسد کی ایک خاتون ام یعقوب کو پہونچی، تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، انھوں نے عرض کیا کہ آپ فلاں فلاں عورتوں پر لعنت بھیجتے ہیں، فرمایا کہ بھلا جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجی ہو، اس پر میں کیوں نہ لعنت بھیجوں۔ جب کہ یہ بات کتاب اللہ میں موجود ہے، انھوں نے عرض کیا کہ میں نے تو پورا قرآن پڑھا ہے، اس میں یہ بات کہیں نہیں ہے، فرمایا اگر تو کتاب اللہ پڑھے ہوتی، تو یہ تمہیں ضرور ملتی۔ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی ہے، **ما آتا کم الرسول فخذوه وما نها کم عنه فانتهوا**۔ جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے روکریں اس سے باز آجاؤ۔ اس نے کہا ہاں یہ تو پڑھا ہے۔ فرمایا کہ بس یہی بات ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے مذکورہ چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری شریف: کتاب التفسیر، تفسیر سورہ حشر)

اس روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک عمومی آیت سے ایک خصوصی مسئلہ پر استدلال کیا ہے، اور استدلال بھی کیسا؟ فرمایا کہ فلاں فلاں پر کتاب اللہ میں لعنت موجود ہے، کتاب اللہ میں اس لعنت کا موجود ہونا اسی صورت میں صحیح ہوگا۔ جب کہ حرام کے اس فرد کو **ما نها کم عنه** کے عموم میں داخل مانا جائے۔

دیکھئے رسول اللہ ﷺ نے ایک عام آیت سے ایک خاص مسئلے میں استدلال کیا۔ پھر آپ ہی کی پیروی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی ایک عام آیت سے ایک خاص مسئلے میں استدلال کیا اور اس کو کافی سمجھا۔ اور یہ استدلال اس خاتون کی سمجھ میں نہیں آیا تھا، تو اس سے فرمایا اگر تو قرآن پڑھتی تو تجھے یہ بات قرآن

میں ملتی ۔ گویا اس نے جب اس عموم سے استدلال نہیں کیا، اور اس کی طرف اس کا ذہن نہیں گیا، تو اس کے قرآن پڑھنے کی نفی فرما دی۔

پھر ان کے بعد ائمہ کے یہاں یہ اصول ہی بن گیا کہ جس طرح خاص سے استدلال درست ہے، عام سے بھی درست ہے، اور جب کوئی عام دلیل مل جائے، تو مسئلے کے اثبات کے لئے کسی خاص دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی، نہ اس کا مطالبہ درست ہے۔

اب یہ نئی ہوا چلی ہے کہ ہر مسئلے کے لئے خاص دلیل کا مطالبہ ہے، اور خاص دلیل نہ ملے، تو بے دلیل اس کے بدعت اور غیر مشروع ہونے کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے، عرض کر چکا ہوں یہ رجحان احکام شرع میں نہایت خطرناک ہے۔

جب عام دلائل بلکہ خاص احادیث سے یہ بات ثابت ہو چکی کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مشروع بلکہ مستحب ہے، تو یہ سوال لغو ہے کہ اجتماعی طور پر امام اور مقتدی کا دعا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ دعا کے سلسلے میں جو دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ ان کا تعلق صرف انفرادی دعا کے ساتھ ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ مطلق دعا سے ان کا تعلق ہے، اور مطلق دعا انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی، لہذا ان سے جب انفرادی دعا کا ثبوت مل گیا۔ تو اجتماعی دعا کا بھی ثبوت مل گیا۔ اب اجتماعی دعا کے لئے خصوصیت کے ساتھ دلیل کی طلب اسی گمراہی کا شاخشانہ ہے، جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔

اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اجتماعی دعاء نہیں کی ہے۔ تب بھی اس کے دلائل جواز کے ہوتے ہوئے، اسے یا بدعت کہنا غلط ہے، کیونکہ ترک کرنا بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ما آتا کم الرسول فخذوہ وما نہا کم عنہ فانتھوا.
جو کچھ رسول تم کو دیں، اسے لے لو، اور جس سے منع کر دیں اس سے باز آ جاؤ، یہ نہیں فرمایا کہ:

وماتر کہ فانتھوا عنہ ۔ جو کچھ رسول چھوڑ دیں ۔ اس سے تم باز آ جاؤ ۔

مثال ملاحظہ ہو، عہد نبوت میں نماز جمعہ مدینہ منورہ میں صرف ایک جگہ تھی ۔ دور وقریب کے گاؤں میں آپ نے جمعہ کی اجازت نہیں دی تھی، حالانکہ بعض گاؤں دور کی مسافت پر تھے ۔ اور اب دیکھئے کہ ایک شہر میں متعدد جمعہ ہوتے ہیں اور کوئی نہیں کہتا کہ جمعہ کا تعدد حرام ہے یا بدعت ہے، کیونکہ جمعہ کا تعدد متروک تو تھا، اس سے نہی نہیں وارد ہوئی ہے ۔

تو اگر اجتماعی طور پر نماز کے بعد آپ نے دعا نہ بھی کی ہو، تب بھی ممنوع ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ مطلق اور عام دلائل سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے ۔ کیونکہ ان دلائل عامہ کے مقابلہ میں، اس اجتماعی دعا کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے ۔

علماء اصول نے فرمایا ہے کہ سنت، نبی کریم ﷺ کے ارشادات، آپ کے افعال اور آپ کی تقریرات ہیں ۔ تقریر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے سامنے یا آپ کے علم میں کوئی کام ہوا ہو، اور آپ نے اس کو منع نہ فرمایا ہو ۔ یہ بھی سنت ہے ۔ اس میں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ آپ کے تروک بھی سنت ہیں، کیونکہ ترک کوئی حکم شرعی نہیں ہے ۔ اور تشریع میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے ۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اذاأمرتكم بامر فائتوا منه مااستطعتم واذا نهيتكم من شئى فاجتنبوه ۔

یعنی جب میں کسی بات کا حکم دوں تو اپنی استطاعت کے بقدر اسے کرو اور جب

کسی بات سے منع کروں تو اس سے اجتناب کرو۔

اس میں یہ نہیں فرمایا ہے کہ:

اذا ترکت شیئا فاجتنبوہ۔

جب میں کسی چیز کو چھوڑ دوں، تو اس سے اجتناب کرو۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ ترک شئ، دلیل منع نہیں اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیز واجب نہیں تھی، جبھی تو اسے ترک کیا گیا۔

بخاری شریف میں کتاب التہجد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں، فرمایا نہیں، پوچھا حضرت عمر؟ فرمایا نہیں، پوچھا حضرت ابوبکر؟ فرمایا نہیں، پھر دریافت کیا، نبی ﷺ؟ فرمایا، میرا خیال ہے کہ آپ بھی نہیں!

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے چاشت کی نماز نہیں پڑھی ہے، لیکن اس کی ترغیب دی ہے، تو آپ کے ترک کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ نماز جائز ہے، اگر واجب ہوتی تو آپ ترک نہ کرتے۔ یہی حال دعا میں ہاتھ اٹھانے کو کبھی ترک کرنے کا ہے، کہ اس سے معلوم ہوا کہ دعا میں ہاتھ نہ اٹھانا بھی جائز ہے، یہ نہیں کہ وہ ممنوع ہو۔

تاہم اجتماعی طور پر دعا کرنے کا ثبوت حدیث میں موجود ہے، گو کہ وہ نماز کے ساتھ خاص نہیں ہے لیکن ہے وہ اجتماعی ہی دعا۔

مستدرک حاکم کی روایت ہے، اور امام حاکم نے فرمایا ہے کہ یہ روایت امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، ایک مشہور مستجاب الدعوات صحابی حضرت حبیب بن مسلمہ مہری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ:

لا یجتمع قوم مسلمون یدعو بعضھم ویو من بعضھم الا استجاب اللّٰہ دعاء ھم .

جب کچھ مسلمان جمع ہو کر دعا کرتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے اور دوسرے لوگ آمین کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالی ان کی دعا قبول کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی دعا کی خاص فضیلت واہمیت ہے۔

تنبیہ:

اس حدیث کے متعلق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ حاکم کے مطبوعہ نسخہ میں تصحیح علی شرط مسلم کا ذکر نہیں ہے، یہ کسی مخطوطہ نسخہ سے منقول ہے، چنانچہ یہی تصحیح مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے **سباحۃ الفکر** ص: ۶۵ میں امام حاکم سے نقل کی ہے، اور علامہ شوکانی نے **تحفۃ الذاکرین** ص: ۳۹ میں امام حاکم کا قول نقل کیا ہے، کہ ''**صحیح الاسناد**'' پس مطبوعہ نسخہ میں تصحیح نہ ملے تو کسی کو شبہ نہیں کرنا چاہئے۔

نیز شیخ ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ روایت طبرانی کی معجم کبیر میں بھی ہے، اور علامہ نورالدین ہیثمی نے مجمع الزوائد، ج: ۱۰، ص: ۱۷۰ میں فرمایا ہے کہ:

رجاله الصحیح غیر ابن لهیعه وهو حسن الحدیث.

مولانا عبد الرحمن مبارکپوریؒ کی رائے:

اخیر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات جو ہر نئی چیز کی طرف تیزی سے پیش قدمی کرتے ہیں، اور قدیم طے شدہ مسائل کے درہم وبرہم کرنے میں زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور جن کو نماز کے بعد دعا کرنے سے کچھ زیادہ وحشت معلوم ہوتی ہے۔ یعنی اہل حدیث حضرات، ان کے ایک مسلمہ عالم ومحدث حضرت

مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری کا ارشاد نقل کر دیا جائے تا کہ وہ لوگ سمجھ لیں کہ ہر چمک والی چیز سونا نہیں ہوتی۔

ترمذی شریف کی کتاب الصلوٰۃ، **باب مایقول اذا سلم** کے تحت وہ **تحفۃ الاحوذی** میں لکھتے ہیں کہ:

فائدہ :

علماء اہل حدیث نے اس زمانے میں اختلاف کیا ہے (اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے یہ اختلاف موجود نہ تھا۔) کہ امام جب فرض نماز سے فارغ ہو تو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے، اور مقتدی ہاتھ اٹھا کر آمین کہے؟

بعض لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں اور بعض عدم جواز کے، ان کا خیال یہ ہے کہ یہ عمل بدعت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ عمل رسول اللہ ﷺ سے سند صحیح کے ساتھ ثابت نہیں ہے بلکہ وہ ایک ''امر محدث'' ہے، اور ہر محدث بدعت ہے۔

اور جو لوگ جواز کے قائل ہیں، انھوں نے پانچ حدیثوں سے استدلال کیا ہے۔

۱-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو ابھی خاتمہ میں ابن کثیر کے حوالے سے گزری ہے۔

۲-حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کی حدیث سے۔ دیکھئے حدیث نمبر ۵۱
۳-حضرت انس ؓ کی حدیث سے۔ // // ۵۳
۴-حضرت اسود عامری کی حدیث سے۔
۵-حضرت فضل بن عباس ؓ کی حدیث سے۔ // // ۲۰

حضرت اسود عامری کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے متعدد علماء نے ذکر کی ہے، وہ حدیث یہ ہے:

عن الاسود العامری ابیه قال: صلیت مع رسول الله ﷺ الفجر فلماسلم انصرف ورفع یدیه ودعا۔

حضرت اسود عامری اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، جب آپ نے سلام پھیرا تو دوسری طرف متوجہ ہوئے اور دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی۔

۲-ان حضرات نے ان عام احادیث سے بھی استدلال کیا ہے، جو دعا کے اندر ہاتھ اٹھانے کے مسئلہ میں وارد ہیں۔ فرمایا کہ فرض نمازوں کے بعد دعا کرنا مستحب ہے، اور اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرض نمازوں کے بعد دعا کرنا ثابت ہے۔ اور بلاشبہ ہاتھ اٹھانا آداب دعا میں ہے۔

۳-بہت سی دعاؤں میں رسول اللہ ﷺ سے ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔

۴-اور یہ کہیں نہیں ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرض نمازوں کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا ہو، بلکہ ضعیف احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

فرمایا کہ یہ چاروں امور ثابت ہیں، اور منع کرنا کہیں ثابت نہیں ہے، اس کے بعد فرض نمازوں کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا بدعت سیئہ تو ہو نہیں سکتا۔ بلکہ یہ جائز ہے۔ جو اسے عمل میں لاتا ہے۔ اس پر کوئی تنگی نہیں۔

اس کے بعد مولانا مبارک پوری نے ان چاروں امور کے اثبات پر تفصیلی کلام کیا ہے، اور متعدد حدیثیں ذکر کی ہیں۔ وہ حدیثیں ہمارے اس رسالہ میں گزر چکی ہیں۔ پھر فرمایا:

۵-قائلین جواز نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے، جس میں ایک دیہاتی صحابی کی آمد کا ذکر ہے کہ انھوں نے جمعہ کے روز رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! **هلكت الماشية وهلك العيال، هلك الناس ۔**

جانور ہلاک ہوگئے، بچے برباد ہوگئے، لوگ تباہ ہوگئے ۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے آپ کے ساتھ صحابہ نے بھی اپنے ہاتھ اٹھائے، وہ دعا میں مشغول ہوگئے ۔ یہ روایت بخاری میں ہے ۔

یہ ہاتھ اٹھانا اسی طرح ہے، اگر چہ یہ بارش کی دعا میں ہے، لیکن یہ کچھ اسی دعا کے ساتھ مختص نہیں ہے ۔ اسی لئے امام بخاری علیہ الرحمۃ نے کتاب الدعوات میں مطلق دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانے کے سلسلے میں اسی حدیث کو دلیل میں پیش کیا ہے ۔

میں کہتا ہوں ۔ (یعنی مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری) قول راجح میرے نزدیک یہی ہے کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے، اگر کوئی کرتا ہے تو انشاء اللہ کچھ حرج نہیں ہے ۔ **والله تعالى أعلم ۔**

اللہ تعالی اس خدمت کو قبول فرمائیں ۔ اور تمام مسلمانوں کے حق میں اسے نافع بنائیں **والحمد الله على توفيقه وصلى الله تعالى وسلم على سيدنا محمد واله وصحبه اجمعين . الحمدلله الذى بنعمته تتم الصالحات.**

اعجاز احمد اعظمی

۲۵/ربیع الآخر ۱۴۲۰ھ

☆☆☆☆☆☆☆